ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ

ششماہی عہ

فی پرچہ ۱؎

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ سے

نصف صفحہ صہ

ربع صفحہ سے

ایڈیٹر: سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۶ — ۷ و ۲۱ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء — نمبر ۳-۴

فہرست مضامین

۱	دنیا میں کیا ہو رہا ہے	. . . .	۲
۲	مصر میں ابتدائی تعلیم	حسین حسان صاحب ندوی	۳-۴
۳	کوائف جامعہ		۵
۴	رفتار تعلیم		″
۵	سچی باتیں	مولوی سعد صاحب انصاری	۶
۶	پودے کس طرح سفر کرتے ہیں ؟	سعید انصاری	۷
۷	گوتم بدھ	″	۸
۸	قطب شمالی و جنوبی کا اکتشاف	سید نذیر نیازی صاحب	۹
۹	ننگ خدمت	حالی	۱۰
۱۰	ریحانہ (کہانی)	سید نصیر احمد صاحب	۱۱-۱۲-۱۳
	انجمن خدام جامعہ (زنگین)	علی احمد خاں صاحب (جامعی)	۱۴-۱۵

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان

۳۰ نومبر کو سائمن کمیشن کے لکھنؤ پہنچنے کے سلسلہ میں جو ماتمی جلوس نکالا گیا تھا اس میں اور پولیس میں ایک جھگڑا ہو گیا جس میں پولیس نے پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے قومی کارکنوں کو لاٹھیوں سے بہت زد و کوب کیا۔ کہتے ہیں کہ جلوس جب ایک ایسی سڑک پر پہنچا جس پر چلنے کیلئے لائسنس کی ضرورت تھی تو پولیس نے انھیں وہاں سے منتشر ہو جانے کو کہا لیکن جب وہ منتشر نہیں ہوئے تو سوار و پیدل ان پر ڈنڈے برسانے شروع کئے جن میں آٹھ دس چوٹیں پنڈت جواہر لال کے آئیں۔ پولیس کی ان حرکتوں پر حکومت بہت بدنامی کر رہی ہے اور ملک بھر میں عام طور سے اس پر نفرت اور غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

۲۹ نومبر کی تاریخ تمام ہندوستان میں "یوم لاجپت" منانے کیلئے مقرر کی گئی تھی جس دن تمام بڑے بڑے مقامات پر لالہ لاجپت رائے کے یادگار فنڈ کیلئے چندہ جمع کیا گیا۔ ان کی قومی و ملکی خدمات کی یادگار قایم کرنے کیلئے ۵ لاکھ سرمایہ کا جو اپیل کیا گیا ہے امید ہے کہ وہ جلد اکٹھا ہو جائے گا۔

اس قومی یادگار پر اکتفا نہ کرکے ڈاکٹر مونجے نے ہندو مہا سبھا کی طرف سے ایک لاکھ کا اپیل کیا ہے تاکہ اس سرمایہ سے لالہ جی کی مہا سبھائی خدمات کی کوئی یادگار قایم کی جائے۔

لکھنؤ میں "سائمن کمیشن" کے اراکین کا سیاہ جھنڈوں اور پرزور نعروں کیساتھ انکا نہایت پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں سے ایکدن کیلئے کمیشن موٹر کے ذریعہ کانپور گیا اور جس وقت سر جان سائمن صاحب اور ان کے ساتھیوں کا موٹر دریائے گنگا کے پل پر پہنچا ہے وہاں مظاہرہ کرنے والوں کی ایک کثیر جماعت موجود تھی جس نے ان کے پیچھے اپنی موٹریں ڈالدیں اور "سائمن واپس جاؤ" "ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے" "سامراج کا برا ہو" وغیرہ وغیرہ کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔

کلکتہ کی ایک گلی کی اندر کے ایک موچی کی دوکان میں بم کا ایک گولہ پھٹا جس سے تین آدمی جو دکان میں بیٹھے کام کر رہے تھے، بہت کافی زخمی ہوئے۔ ایک کی حالت تو بہت خراب ہے۔ پولیس تحقیقات میں ہے کہ یہ گولہ یہاں کہاں سے آیا!

ممالک غیر

شہنشاہ انگلستان جارج پنجم گزشتہ دو ہفتے سے بیمار ہیں اور ان کی بیماری میں بجائے کچھ افاقہ ہونے کے روز بروز ترقی ہوتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹروں کا تازہ ترین بیان یہ ہے کہ حرارت کچھ اور بڑھ گئی ہے اور ایک قسم کا انکان محسوس ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے جگر میں کچھ شکایت ہے جس سے برابر حرارت رہتی ہے۔ ولایتی اخبارات لکھتے ہیں کہ بادشاہ سلامت کی خیر و عافیت دریافت کرنے کیلئے صبح و شام محل میں عورتوں اور مردوں کا ایک جمگھٹ لگا رہتا ہے۔ بہرحال اب تک حالت قابل اطمینان نہیں ہے اسی وجہ سے ولیعہد کے جنوبی افریقہ کا دورہ بھی ملتوی ہو گیا ہے اور وہ بلا لئے گئے ہیں۔

ترکی نے جس طرح اپنے ہاں عربی خط چھوڑ کر لاطینی رسم خط رائج کیا ہے، اسیطرح ایران بھی اپنا ایرانی رسم خط چھوڑ کر لاطینی خط رائج کرنا چاہتا ہے۔ ایران کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ خط تو اصل ایرانی یوں بھی نہیں ہے، اسلئے کیوں نہ اسے ترک کرکے لاطینی حروف استعمال کئے جائیں تاکہ اپنے ہاں بعض آوازوں کیلئے جو حرف نہیں ہیں، انکی دقت بھی رفع ہو جائے۔

شاہ افغانستان کی بعض اصلاحات سے سرحد پر کچھ بے چینی پھیل رہی ہے اور شنواری نامی ایک قبیلے نے سرکاری چوکی پر حملہ کر دیا اور شہر سے باہر شاہی محل میں آگ لگا دی۔ جلال آباد کو جو سڑک جاتی ہے، اس پر آمد و رفت بند ہو گئی ہے۔ شاہ موصوف اور انکی فوجیں کوشش کر رہی ہیں کہ یہ بغاوت کسی نہ کسیطرح فرو ہو اور ملک میں امن و سکون قایم ہو۔

جاپان میں ایک سخت زلزلہ آیا جس سے دو سو اشخاص کے قریب ہلاک ہو گئے۔ تین سو اور پانسو کے درمیان لوگ زخمی ہوئے۔ آس پاس کے تمام مکانات زلزلہ کی حرکت سے منہدم ہو گئے۔ بعض لوگ زلزلہ کی آہٹ پا کر گھروں سے باہر کھلے میدان میں آ گئے تھے اور اس طرح سے وہ بچ گئے۔

غالباً بعض دشواریوں اور مشکلات کا خیال کر کے افغانستان نے اپنی دوسری ہمسایہ اسلامی سلطنتوں سے معاہدے کرنا شروع کر دئے ہیں تاکہ بروقت امداد دستیاب ہو سکے۔ ایران اور افغانستان کے معاہدے پر دستخط ہو چکے ہیں۔ ترکی اور افغانستان سے سمجھوتہ ہو رہا ہے اور اس سے زیادہ یہ رشتہ اتحاد دوسری طرح سے مضبوط ہو رہا ہے یعنی سنا جاتا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی شادی شاہ افغانستان کی بہن سے ہونیوالی ہے۔

مصر میں ابتدائی تعلیم

محمد قدیم

تعلیم اولیٰ اور ابتدائی

مصر میں ابتدائی تعلیم کی دو قسمیں ہیں ،۔

۱۔ تعلیم اولیٰ - یہ قومی تعلیم یا قوم کی تعلیم سے موسوم ہے۔ ذریعہ تعلیم عربی زبان ہے۔ بچہ کو حروف تہجی، حساب، عربی زبان، اخلاق، تدابیر صحت، وطنی تربیت اور معلومات عامہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ تھوڑا سا جغرافیہ اور تاریخ بھی پڑھائی جاتی ہے۔ تعلیم اولیٰ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ تعلیم اولیٰ قدیم اور لازمی تعلیم۔ اول الذکر کی مدت تعلیم ۴ سال اور موخرالذکر کی ۶ سال ہے۔ ان مدارس سے فراغت پانے کے بعد طلبہ یا تو صنعت کی طرف توجہ کرتے ہیں یا زراعت کی جانب یا کوئی اور پیشہ اختیار کر لیتے ہیں یا پھر ابتدائی مدارس میں داخل ہو جاتے ہیں جنکا ذکر آگے آئےگا

تعلیم اولیٰ کی ایک اور بھی قسم ہے جو اعلیٰ اور متوسط طبقے تک محدود ہے۔ یہ "کنڈر گارٹن" ہے جس کی مدت تعلیم ۳ سال ہے۔

۲۔ تعلیم ابتدائی - اس میں بھی تقریباً وہی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں جو تعلیم اولیٰ میں صرف انگریزی یا جدید قانون کے مطابق فرانسیسی زبان کا اضافہ ہوتا ہے اور اس کے لئے طالب علم کنڈر گارٹن سے لئے جاتے ہیں یا اولیٰ مدارس سے۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طالب علم ثانوی مدارس میں لئے جاتے ہیں یا متوسط درجہ کے زراعتی مدارس میں اور یا صنعتی کارخانوں میں داخل ہوجاتے ہیں

محمد علی پاشا کا زمانہ

مرحوم محمد علی پاشا نے جسطرح تعلیم کے دوسرے شعبوں کی جانب توجہ کی ابتدائی اور اولیٰ تعلیم بھی ان کی توجہ سے محروم نہ رہی بلاشبہ انھیں کی ذات تھی جس نے مصر کو پستی اور انحطاط سے باہر نکالا۔ شروع میں تعلیم کا مقصد انھوں نے مصری فوج کی اصلاح و ترقی اور استحکام قرار دیا تھا اسی لئے تمام مدارس محکمہ جنگ کے ماتحت تھے لیکن ۹ مارچ ۱۸۳۷ء کو حکومت کے حکم سے مصری مدارس کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا گیا جس کے صدر امیر اللواء مصطفےٰ مختار بک بنائے گئے۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم کا ایک مسودۂ قانون بنایا جو ۴ دفعات پر مشتمل تھا۔ دوسری اور تیسری دفعہ میں اس امر کی تصریح کیگئی تھی کہ ۵۰ مدرسے قائم کئے جائیں جنمیں ۴ قاہرہ میں ہوں ایک اسکندریہ میں اور باقی تمام اطراف ملک میں قاہرہ اور اسکندریہ کے ہر مدرسہ میں طلبہ کی تعداد ۲۰۰ تک، اور صوبوں کے مدارس میں ۱۰۰ تک ہو۔

محمد علی پاشا کے زمانہ میں حکومت کے محاصل تین ملین پونڈ سے زیادہ نہ تھے اس پر بھی تعلیم پر ایک لاکھ پونڈ صرف کیا جاتا تھا۔

مدرسہ مبتدیان ناصریہ پہلا ابتدائی مدرسہ تھا جسے محمد علی پاشا نے قاہرہ میں قائم کیا۔ خود ان کے زمانہ میں اس مدرسہ کے طلبہ کی تعداد ۳۳۴ تک پہونچ گئی تھی ۱۲ استاد تعلیم دیتے تھے اور ۵۹ خادم تھے۔ اس مدرسہ کا سالانہ خرچ ۱۱۰۰ پونڈ تھا۔

صوبوں اور اضلاع میں ۳۸ مدرسے (یا مکاتب) قائم کئے گئے۔ ان میں ۲۵۰۹ طالب علم ۱۳۶ مدرس اور ۲۴۶ خادم تھے اور سالانہ خرچ ۸۶۵۴ پونڈ۔ ابتدائی مدارس میں تعلیم کی مدت ۱۸۳۶ء سے ۱۸۴۸ء تک تین سال تھی۔ اس میں طالب علم کو لکھنا پڑھنا، صرف ونحو اور مذہبی فرائض کی تعلیم دیجاتی تھی۔

عباس اول اور سعید پاشا کا زمانہ

۱۸۴۸ء میں عباس اول سریرآرائے سلطنت ہوئے۔ انھوں نے تعلیم کا دائرہ بہت تنگ کر دیا۔ ابتدائی مدارس پر خاص طور سے توجہ تھی۔ چنانچہ تمام ابتدائی مدارس بند کر دئے صرف ۸ باقی رکھے۔ قاہرہ میں مدرسہ مبتدیان ناصریہ کو بھی باقی رکھا گیا تھا لیکن خرچ گھٹا کر ۸۰۰ پونڈ کر دیا گیا۔ اتنا ضرور کیا گیا کہ اعلیٰ مدارس کے ساتھ ابتدائی اور ثانوی مدارس بھی قائم کر دئے گئے۔ سعید پاشا کے زمانہ تک یہی حالت رہی

ان دونوں کے زمانہ میں ابتدائی تعلیم کی مدت تین سال تھی۔ عربی زبان۔ تحریر۔ ترکی زبان اور علم ہندسہ کے ابتدائی اصول کی تعلیم دیجاتی تھی۔ فرانسیسی زبان سے بھی روشناس کر دیا جاتا تھا۔

خدیو اسمٰعیل کا زمانہ

۱۹ جنوری ۱۸۶۳ء کو عنان حکومت خدیو اسمٰعیل کو تفویض ہوئی اور اسی مہینہ کی ۲۶ تاریخ کو انھوں نے محکمہ تعلیم کو دوبارہ قائم کرنے کا حکم دیا (اس سلئے کہ عباس اول نے اُسے بھی نظر بند کر دیا تھا) اس کے علاوہ ایک ابتدائی مدرسہ اور ایک

ہائی اسکول عباسیہ میں اور ایک ابتدائی مدرسہ اسکندریہ میں قائم کیا۔

عباس اول کی بے توجہی سے ملک کی تعلیم کو بہت صدمہ پہونچ چکا تھا ما سبق میں مزید تساہل ملک کے لئے اور بھی مہلک ثابت ہوتا اس لئے خدیو اسمٰعیل نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مصری طلبہ کو یورپ بھیجا۔ مدرسوں کی اصلاح پر توجہ کی۔ قبطیوں کے مدارس کو ڈیڑھ ہزار ایکڑ زمین مرحمت ہوئی ہر ضلع میں ایک ابتدائی مدرسہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ تعلیمی امور کی حوصلہ افزائی کے لئے وہ حوصلۂ شاہانہ سے کام لیتا تھا۔ چنانچہ ایکمرتبہ اس کی جانب سے محکمہ تعلیم کو دس ہزار ایکڑ زمین مرحمت ہوئی اور دوسری مرتبہ ۲۲ ہزار ایکڑ زمین دی گئی۔

۱۸۷۳ء میں لڑکیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا اس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ دستکاری بھی سکھائی جاتی تھی۔ اس مدرسہ کی برابر ترقی ہوتی رہی۔ بالآخر ۱۹۱۴ء میں ایک جدید نصاب تعلیم تیار کیا گیا۔ اس میں ابتدائی تعلیم کے لئے چھ سال کر دئے گئے اور دستکاری کے ساتھ سینا، پرونا، تدبیر منزل، کھانا پکانا، کنڈرگارٹن وغیرہ کی تعلیم کا اضافہ کیا گیا۔

۱۸۶۷ء میں خدیو اسمٰعیل کے زمانہ میں ابتدائی تعلیم کے نصاب میں کچھ تبدیلی کیگئی۔ تعلیم کی مدت بجائے چار کے تین سال کر دی گئی اور نصاب اس طرح کر دیا گیا

۱۔ عربی زبان۔ صرف نحو۔ مطالعہ۔ انشا۔ توحید کے عقائد۔ عبادت کے واجبات وغیرہ
۲۔ کوئی غیر ملکی یا ترکی زبان
۳۔ جغرافیہ اور تاریخ کے ابتدائی اصول
۴۔ حساب (تجارت۔ جامیٹری (مساحت) سے عملی تطبیق۔
۵۔ مقامی حیوانات، نباتات اور زراعت کے متعلق کچھ مفید معلومات۔
۶۔ خوشخطی وغیرہ

خدیو توفیق پاشا اور عباس پاشا ثانی کا زمانہ

خدیو توفیق پاشا اور عباس پاشا (۱۸۷۹ء تا ۱۹۱۴ء) کے زمانہ میں ابتدائی تعلیم برابر ترقی پذیر رہی اور اس کے لئے مستقل قوانین بھی بنا دئے گئے۔ تعلیم کی مدت چار ہی سال رہی لیکن نصاب تعلیم میں ہر دو تین سال کے بعد کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل اور کمی بیشی ضرور ہوتی رہتی تھی لیکن لازمی اور اساسی علوم جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا حسب ذیل ہیں

(۱) قرآن کریم اور مذہب (۲) عربی زبان
(۳) ترجمہ (۴) حساب اور جامیٹری
(۵) تاریخ (۶) جغرافیہ
(۷) فرانسیسی زبان (۸) فرانسیسی تحریر
(۹) نقشہ کشی

موقع موقع سے معلومات عامہ اور تدبیر صحت کی تعلیم بھی دیجاتی تھی۔ جغرافیہ کی تعلیم اجنبی زبان میں دیجاتی تھی۔ توفیق پاشا کے ابتدائی عہد میں ترکی زبان لازمی تھی ۱۸۸۹ء میں اختیاری کر دی گئی اور خدیو عباس کے ابتدائی عہد میں بالکل نکال دی گئی۔

انگریزی اور فرانسیسی زبانیں اختیاری تھیں۔ طالب علم کو آزادی تھی کہ ان میں سے جس کو چاہے ترجیح دے لیکن جب مسٹر ڈنلوب وزیر تعلیم ہوئے تو انھوں نے فرانسیسی زبان کے خلاف مسلسل سعی و جہد کی تاآنکہ اسے بالکل خارج کر دیا۔

ابتدائی تعلیم کی تاریخ میں ایک اہم حادثہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۱ء میں حکومت کی جانب سے ابتدائی سندی امتحان مقرر کیا گیا اور ثانوی مدارس آرٹ اسکول ٹیکنیکل اسکول، مدرسہ زراعت۔ مدرسہ طب حیوانات۔ پولیس ٹریننگ میں داخلہ اور سرکاری محکموں خصوصاً اضلاع میں، ڈاکخانوں میں اور ریلوے میں چھوٹی چھوٹی آسامیوں کے لئے ابتدائی سند ضروری قرار دیگئی۔ حکومت کے محکموں میں ہزاروں آدمی ہیں جنہوں نے محض ابتدائی تعلیم پائی ہے اور ان کے پاس صرف ابتدائی سند ہے لیکن یہ سند حکومت کے عہدوں کے اور مخصوص مدارس اور مدرسۃ الفنون میں داخلہ کے لئے کار آمد نہیں ہے اور صرف ثانوی مدارس متوسط زرعی مدارس اور صنعتی کارخانوں میں داخلہ کے وقت کام آتی ہے۔ (تلخیص المعلم)

کوائفِ جامعہ

۲۹ رنومبر کو جامعہ میں "یوم لاجپت" منانے کی غرض سے ایک جلسہ زیر صدارت خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی منعقد ہوا جس میں طلبا اور اساتذہ میں سے مختلف اشخاص نے لالہ لاجپت رائے کی زندگی پر روشنی ڈالی - مہاتما گاندھی جی کے صاحبزادے دیوداس گاندھی نے اپنی تقریر میں کہا کہ "یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ لالہ جی مسلمانوں کے دشمن تھے، سو غلط ہے - اس میں شبہ نہیں کہ لالہ جی کی زندگی کا ایک حصہ خالص ہندو مہاسبھا کی کارگزاریوں میں گذرا لیکن یہ زمانہ وہ تھا جب کہ سوائے چند کے کوئی لیڈر بھی خاص اپنے اپنے فرقہ کی حمایت کرنے سے نہ بچا تھا" خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ الاعمال بخواتیمہا (اعمال کا اعتبار ان کے انجام سے ہوتا ہے) انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ اسکے انجام سے کرنا چاہیئے - لالہ جی کا انجام بہت اچھا رہا - انھوں نے "سائمن کمیشن" کی مخالفت کر میں انگریز سارجنٹ کی ہاتھ سے مار کھائی جو بالآخر ان کی ناگہانی موت کا باعث ہوا - یہ ایک ملکی اور قومی خدمت تھی جسمیں انکی جان گئی" - جامعہ کے طلبا اور اساتذہ نے باوجود اپنی غربت اور ناداری کے ایک حقیر رقم اس یادگاری فنڈ میں بھی دی جو لالہ جی کے قومی کاموں کو زندہ رکھنے کیلئے صرف کیا جائے گا -

یکم دسمبر ۱۹۲۸ء کو (طلبا ر کالج کے) "انجمن اتحاد" کی رسم مسند نشینی ادا ہوئی جسکا جلسہ شیخ الجامعہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے مولنٰا اسلم صاحب جیراجپوری کی صدارت میں منعقد ہوا رسم کے مطابق جدید منتخب شدہ عہدہ داران اور اراکین کو ہار پہنائے گئے اور ان پر پھولوں کی بارش ہوئی بعد میں حاضرین نے ماحضر بھی تناول فرمایا جس میں طبیہ کالج کے سکریٹری خواجہ غلام اسمٰعیل صاحب اور طبیب حکیم فرید احمد صاحب بھی شریک تھے -

رفتارِ تعلیم

ہندوستان کی اورنٹیل کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں سنسکرت زبان کے مشہور فاضل مہا مہوار پادھیا ہر پرشاد نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کو سنسکرت اکثر عربی تہذیبوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے' اس بات میں تعلیم دیا جاتا ہی اس بات کو پیش نظر رکھ کر شروع کیا گیا تھا کہ سنسکرت اور عربی زبانوں کے ذریعہ تہذیب و تمدن نہیں آسکتا ہے - اس غلطی کے ایک سو سال بعد یہ نظر آ رہا ہے کہ کسی زمانہ میں تمام ایشیا اور مشرقی یورپ ہندوستانی تہذیب سے معمور تھے - عربی زبان نے قرون وسطیٰ اور دور جدید کے شروع میں جس طرح تہذیب و تمدن کو نہ صرف قایم رکھا بلکہ تمام مغربی ایشیا اور یوروپ میں اسے پھیلا دیا، اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں - بہر حال ان نقصانات کی تلافی ابھی محال نہیں ہے - بحیثیت ایک سنسکرت کے طالب علم ہونے کے مجھے امید ہے کہ سنسکرت زبان و علوم اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ پھر چمک سکتے ہیں"

حکومت میسور نے ۵۰ ہزار روپے کی منظوری اس غرض سے دی ہے کہ اس سے ریاست کی غیر ترقی یافتہ جماعتوں کو تعلیم کے لئے وظائف دیئے جائیں - اس رقم میں سے ۱۰ ہزار روپئے اسکولوں میں صنعتی وظائف دینے کی غرض سے رکھے گئے ہیں، ۵ ہزار یونیورسٹی کے لئے اور باقی ہائی اسکولوں کے لئے رکھے گئے ہیں -

اس مزید رقم کی منظوری سے مجموعی سرمایہ ۱ لاکھ ۶۰ ہزار تک پہنچ جاتا ہے - اس غیر معمولی توجہ کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ غیر ترقی یافتہ جماعتوں کی ترقی سے اصل میں ریاست کی عام آبادی کی ترقی مقصود ہے ؎

مذہب

سچّی باتیں

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝

(حضرت لقمان اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں) اے میرے عزیز بیٹے! نماز کو پابندی سے ادا کر۔ بھلائی کا حکم دے۔ برائی سے روک۔ (سچائی کی راہ میں) جو مصیبتیں آئیں اُن کو برداشت کر۔ یہ بڑے عزم و ارادے کی بات ہے۔ لوگوں کے سامنے (غرور) سے اپنے گال مت پھلا، اور زمین پر اکڑ کر مت چل۔ اللہ ہر مغرور اور شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا۔ چال آہستہ چل، اپنی آواز کو دھیرے رکھ، سب سے ناگوار اور کریہ آواز گدھے کی ہوتی ہے ٭

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝

تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہے کہ اس ایک کی تم سب بندگی کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ان میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں، ذرا انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ ذرا جھڑکو، نہایت نرمی کے ساتھ ان سے اچھی باتیں کرو، عاجزی کے بازوؤں کو نہایت مہربانی سے انکے سامنے جھکائے رکھو اور پروردگار سے دعا میں کہو، اے پروردگار ان دونوں پر ویسا ہی رحم و کرم کر جیسا کہ انھوں نے مجھکو بچپن میں (شفقت کے ساتھ) پالا پوسا ٭

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

حقیقی بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم (صرف) اپنے چہروں کو مشرق و مغرب کی طرف کر لو۔ بلکہ اصلی بھلائی اس شخص میں ہے جو یقین کرے (سچے دل سے) اللہ کا، قیامت کا، فرشتوں کا، کتاب کا اور نبیوں کا، اور دولت کو باوجود عزیز رکھنے کے عزیزوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں، اور غلاموں کے آزاد کرنے پر خرچ کرتا ہے۔ نماز کو پابندی کے ساتھ قائم کرتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جو وعدہ کرنے کے بعد اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں، مصیبت، تنگی اور خوف کے وقت (حق پر) ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقت میں سچے اور کامل پرہیزگار ہیں

سائنس

پودے کیسے سفر کرتے ہیں؟

پودوں میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی نسل کو بڑھانے کا بھی خیال رہتا ہے۔ جنھیں ہم بیج کہتے ہیں وہ دراصل پودوں کے انڈے ہیں جو ہوا کے ساتھ یا پرندوں کے ہمراہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور تھوڑے دنوں میں وہاں انھی پودوں کی شکل میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ بعض پودے جو جگہ کی تنگی کی وجہ سے یہ نہیں چاہتے کہ ان کے انڈے ان سے جدا ہو کر دوسری جگہ چلے جائیں اور پھلیں پھولیں، وہ اپنے تخم اپنے پاس ہی بکھیر دیتے ہیں تاکہ وہ انھی کے قریب نشو و نما پائیں۔

پودوں میں جو پھول نظر آتے ہیں ان کا مقصد محض یہی نہیں ہے کہ وہ دیکھنے والوں کو خوبصورت اور خوشنما نظر آئیں۔ بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ان پھولوں میں بیج پیدا ہوں اور وہ بیج پک کر زمین میں گر پڑیں تاکہ نئے نئے دوسرے پودے نکلیں اور نسل ختم نہ ہو جائے۔ بعض پودے تو ایسے ہوتے ہیں جو ایک فصل میں اپنی غرض پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں اور دوسری فصل میں نئے سرے سے ان کی جگہ دوسرے پودے نکلتے ہیں۔ اگر تم سے پوچھا جائے کہ پھول میں سب سے بہتر حصہ کونسا ہوتا ہے تو تم فوراً کہہ اٹھو گے کہ اس کی پنکھڑیاں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں سب سے مفید حصہ پھول کا اس کے بیج کا حصہ ہوتا ہے جس میں بیج ہوتے ہیں۔ یہ حصہ پودے نہایت حفاظت سے رکھتے ہیں تاکہ ان کے اندر کے انڈے کوئی کیڑا مکوڑا خراب نہ کر ڈالے۔ بہت بڑا ذریعہ ان بیجوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کا مکھیاں، تتلیاں اور بعض چڑیاں ہوتی ہیں۔ پھول میں خوشبو اور خوشنمائی خدا تعالیٰ نے صرف اس وجہ سے رکھی ہے کہ یہ جانور اور پرندے اس رنگ و بو سے کھنچ کر ان پھولوں پر آئیں اور ان کے بیجوں کو اپنے ہمراہ لیجائیں۔ بیج اکثر ان کے پروں، بازوؤں اور پیروں میں لپٹ جاتے ہیں اور جب وہ پرندے اڑ کر کہیں دوسری جگہ جاتے ہیں تو وہاں وہ گر جاتے ہیں اور تھوڑے عرصہ میں پودے کی شکل میں نکل آتے ہیں۔

پرندوں کے علاوہ یہ بیج انسانوں کے ذریعہ بھی جاتے ہیں۔ بعض وقت دانستہ طور پر اور اکثر اتفاقات نادانستہ طور پر۔ کم ایسے موقع ہوتے ہیں جب کچھ لوگ ایک ملک سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک میں جاتے ہیں تو اپنے ہمراہ اپنے ملک کے بیج یا پودے بھی لے جاتے ہیں لیکن نادانستہ طور پر یہ بیج اکثر ان کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں ایک قسم کا کیلا ہوتا ہے جو انگلستان کے کیلے سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ اس کو امریکہ میں گورے آدمی کا پاؤں کہتے ہیں اور اس کے متعلق روایت یہ نقل کرتے ہیں کہ جب شروع شروع میں انگلستان سے لوگ یہاں آئے تو ان کے ساتھ غالباً کوئی ایسا کسان بھی آیا ہوگا جس نے اپنے دوسرے سامان کے ساتھ اپنے وہ بھاری جوتے بھی بند کئے ہونگے جنہیں پہنکر وہ ہل چلاتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ جوتے کے تلے میں جو مٹی لگی ہو اس میں اس پودے کے ننھے ننھے بیجوں کا اثر رہا ہو اور وہ یہاں کی زمین میں آ کر گرے ہوں اور اگ آئے ہوں۔ اسی بنا پر اسے گورے رنگ کا پاؤں کہتے ہیں۔

پھول دیکھوں کے پودوں کے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہونچنے کا ایک اور دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انگلستان کے کچھ لوگ ایک دور دست جزیرہ کا پتہ لگانے کے لئے نکلے۔ جب وہ اس جزیرہ پر پہونچے تو انھیں کوئی آبادی نظر نہ آئی وہ یہ سمجھے کہ ہمیں پہلے لوگ ہیں جنھوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ لیکن انھیں اپنے ملک کا ایک پھول جا بجا اگا ہوا نظر آیا۔ وہ یہ دیکھ کر بہت متحیر ہوئے کہ آخر یہ پھول آئے کیونکر؟ چنانچہ وہ انھیں پھولوں کے پتہ پر چلے، یہاں تک کہ وہ ایک ٹیلے نما جگہ پر پہونچے جہاں انھیں وہ پھول بکثرت نظر آئے۔ جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ ٹیلہ نہیں بلکہ کسی انسان کی قبر ہے۔ اب وہ یہ سمجھے کہ یہاں ہم سے پہلے کچھ لوگ ضرور آ چکے ہیں اور ان میں کا کوئی شخص غالباً مر گیا ہے جس کو اس کے ساتھیوں نے قبر کھود کر یہاں دفن کیا ہے اور اس قبر کے کھودنے میں پھاوڑے کے ساتھ جو تھوڑی سی مٹی لگی رہ گئی تھی۔ اسی میں اس پھول کے بیجوں کا اثر رہا ہوگا جو یہاں کثرت سے اگ آتے ہیں۔ بعض پودوں کے بیج میں پر سے ہوتے ہیں۔ یہ بیج ہوا کے جھونکے سے اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ بعض پودوں کے بیج پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ مثلاً ناریل کا درخت ہے جو اکثر سمندر کے کنارے ہوتا ہے اور بہ کثرت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر چارلس ڈارون نے نباتات کی تحقیق کیلئے کچھ چڑیاں پکڑیں ان کے پاؤں میں لگی ہوئی مٹی دھو کر نکالی جس سے ہزاروں پودے اگے۔ اسی طرح دوسری باتوں کا پتہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

تاریخ

گوتم بدھ

(آخری حالات)

اس کے بعد گوتم نے ارادہ کیا کہ اب تمام دنیاوی لذتوں، اور عیش و آرام سے یکقلم قطع تعلق کر لینا چاہیئے - چنانچہ اسی شب میں دریائے کنارے جاکر اسنے اپنی لٹیں تراشیں، - تمام زیور اور قیمتی جواہرات اتار کر گھر بھیجدیئے اور دل میں یہ ٹھان لی کہ اب مستقل طور سے اسی جنگل میں زندگی گزار دیئے - چھ سال تک نہایت ریاضت اور نفس کشی کی زندگی بسر کرتے رہے - غذا بالکل ترک کر دی - ضعف و نقاہت سے بڑا حال ہوگیا - شاگردوں نے جب یہ حالت دیکھی تو ایک ایک کرکے اپنے گرو کا ساتھ چھوڑ دیا - لیکن گوتم کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا اور اسی دوران میں انھیں نروان حاصل ہوگیا جس کی تلاش میں انھوں نے یہ سب تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلی تھیں -

عرفان (نروان) حاصل ہونے کے بعد انھوں نے خیال کیا کہ سب سے پہلے اپنے پرانے گروؤں کے پاس چلنا چاہیئے اور ان کے سامنے یہ چیز پیش کرنی چاہیئے - لیکن وہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے - پھر خیال آیا کہ ان شاگردوں کے پاس جائیں - شاید وہ اب مطمئن ہو سکیں لیکن وہاں جب پہونچے تو ان کا اور ہی رنگ دیکھا - اپنے گرو کو راہبانہ زندگی ترک کرکے اس طرح تبلیغ و اشاعت کا طریقہ اختیار کرنا انھیں پسند نہ آیا لیکن گوتم پھر بھی انھیں اپنے مسلک کی دعوت دینے سے باز نہ رہے -

گوتم بظاہر ایک نہایت باا‌ثر شخصیت رکھتے تھے - ان کی آواز نہایت پر رعب تھی جس نے ان کو تبلیغ و اشاعت کے کام میں بڑی مدد پہونچائی - ان کے یہ پانچوں شاگرد بالآخر ان کے مذہب پر ایمان لے آئے اور گوتم نے اپنے بنارس کے اس مختصر قیام میں اپنے پیرووں اور معتقدین کی ایک اچھی خاصی جماعت پیدا کرلی - صرف بنارس کے پیرووں کی تعداد ۶۰ کے قریب تھی - باہر کے لوگوں کا شمار اس سے کہیں زیادہ تھا - سب سے پہلا شخص جو گوتم پر ایمان لایا وہ یسہ نامی ایک شخص تھا جو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے خوف سے رات میں چھپ چھپ آکر ملتا اور تعلیمات حاصل کرتا -

گوتم کے باپ نے جب یہ سنا کہ بیٹے نے راہبانہ زندگی ترک کر دی ہے اور ایک مبلغ اور ہادی کی زندگی اختیار کر لی ہے، تو اس کے دل میں اس سے ملنے کی ایک بڑی خواہش پیدا ہوئی اور اپنے بیٹے کو بلا بھیجا - چنانچہ گوتم کپل وستو آیا اور شہر سے باہر ایک باغ میں قیام کیا - اسکے عزہ و اقربا نے جب اس کی آمد کی خبر سنی تو وہ جوق جوق اسکو دعوتیں دینے کے لئے آئے لیکن گوتم نے اپنے مسلک کے مطابق ان کی پرتکلف دعوتیں کھانے کی بجائے بھکشا مانگنا شروع کیا - باپ نے بیٹے کی جو یہ حرکت دیکھی، تو بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ ایک کشتری نسل کے لئے یہ کسیطرح زیبا نہیں بیٹے نے جواب دیا کہ "آپ کو اور آپ کے کنبہ والوں کو کشتری نسل سے ہونا کوئی قابل فخر بات ہو تو ہو لیکن میں تو بدھاؤں (انبیا) کے خاندان سے ہوں جن کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے" گوتم نے نہ صرف ان جدید خیالات سے اپنے باپ کو حیرت میں ڈالا بلکہ اس نے اپنے باپ کو اپنے نئے مذہب کی دعوت بھی دی اور کہا کہ "ایک لڑکا اگر کوئی خزانہ پاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے باپ کو پیش کر دیتا ہے - میرا بھی اس بنا پر فرض ہے کہ یہ خزانہ جو میں نے پایا ہے سب سے پہلے میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں" باپ نے بیٹے کی یہ باتیں سنکر اس طرح ٹال دیں جس طرح کوئی دیوانہ کی باتیں سنکر ٹال دیا کرتا ہے - پیالہ ہاتھ سے چھین لیا اور اپنے ساتھ گھر کو لوا گیا -

گوتم کی تعلیم و تلقین کا طریقہ ایسا تھا کہ وہ ملنے والوں کے دلوں میں گھر کر لیتا تھا گوتم اپنے اس نئے دین کی تعلیم اس انداز سے دیتے تھے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتی تھی - ایک بار ایک عورت کا بچہ مر گیا - عورت اپنے عزیز بچہ کی موت سے دیوانی ہو رہی تھی - لوگ اسے مع بچہ کے گوتم کے پاس لائے - گوتم نے اس کی یہ دیوانگی دیکھ کر نہایت معمولی علاج بتایا اور کہا کہ رائی کے دانے پیسکر لگا دو اور بچہ جی اٹھے گا لیکن یہ دانے ایسے گھر سے لانا جہاں کوئی شخص مرا نہ ہو - عورت دربدر پھری لیکن کوئی ایسا گھر نہ ملا جہاں کسی کو اپنے عزیز اور رشتہ دار کی جدائی کا صدمہ نہ اٹھانا پڑا ہو - مجبوراً وہ

(بقیہ صفحہ ۵-۹ پر)

جغرافیہ

قطب شمالی و جنوبی کا انکشاف

قطب شمالی اور جنوبی کے انکشاف کا آغاز گزشتہ ڈہائی سو سال سے ہوا ہے لیکن زمانہ قدیم میں بھی بعض قومیں قطب شمالی کی حدود تک پہنچ گئی تھیں۔ یونانیوں کا دعویٰ ہے کہ ۳۲۵ ق۔م میں ایک یونانی سیاح پی تھیاس نے مسیلا۔ جہاں آجکل مارسیلز واقع ہے کر سے شمالی سمندروں کے سفر کے بعد انگلستان اور اسکاٹ لینڈ ہوتے ہوتے دائرہ قطب شمالی تک پہنچ گئے۔ پی تھیاس کا یہ سفر ایک عظیم الشان کارنامہ تھا اس لئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو سال پہلے جب سمندر کے سفر کے لئے انسان کے پاس معمولی کشتیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا ان دور دراز سمندروں کا سفر کرنا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے۔ اگرچہ پی تھیاس کے بعد تاریخ سے کسی دوسرے سفر کا پتہ نہیں چلتا لیکن شمالی یوروپ کی جہازراں قومیں زمانہ قدیم ہی میں ان جزائر سے واقف ہوں گی جو قطب شمالی کی حدود پر واقع ہیں۔ چنانچہ آج ہم ایک ایک کرکے ان تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کر سکتے ہیں جن سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ کسطرح نویں اور دسویں صدی عیسوی میں شمالی یوروپ کے باشندے بعض شمالی جزیروں مثلاً آئس لینڈ اور گرین لینڈ حتیٰ کہ شمالی امریکہ تک پہنچ گئے تھے۔

پندرھویں صدی کی ابتدا میں اہل مغرب کے دل میں ہندوستان سے تجارتی تعلقات قایم کرنے کی آرزو پیدا ہوئی اور انھوں نے کوشش کی کہ کسی طرح سمندر کے کنارے سے ساحل ہندوستان پر پہنچ سکیں۔ آج ہر شخص کو معلوم ہے کہ کس طرح کولمبس ہندوستان کی تلاش میں امریکہ پہنچ گیا لیکن بہت کم لوگ جانتے ہونگے کہ ہندوستان کی دھن میں یوروپ کی قوموں نے تمام شمالی اور جنوبی سمندروں کو چھان مارا اور اسطرح راس امید اور جنوبی افریقہ کا انکشاف ہندوستان کے تعلق میں ہوا اسیطرح کئی ایک جہازراں جو شمالی سمندروں سے ہوکر ہندوستان آنا چاہتے تھے بالآخر ان جزیروں پر پہنچ گئے جو قطب شمالی کے قریب واقع ہیں اور جن کے نام سے آج ہر شخص واقف ہے۔

بہرکیف ان انکشافی مہموں کا سلسلہ ڈہائی تین سو سال تک جاری رہا لیکن ان سب سے مقصود صرف اسقدر تھا کہ یورپ کی سفید رنگ قومیں سمندر پار اپنی نوآبادیاں قایم کریں اور اسطرح حلقہ تجارت کو وسیع کریں۔ یہ مطلب نہ تھا کہ زمین کے دور دراز حصوں کی سیاحت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک جسقدر بھی انکشافات ہوئے تھے محض اتفاقی تھے۔ یہ صرف گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں کی حیرت انگیز ایجادات اور سائنٹفک ترقیوں کا نتیجہ تھا کہ انسان کی علمی کوشش اسے کرۂ ارض کے انتہائی حصص تک کشاں کشاں لیگئی اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ جستجوئے علم کے علاوہ اور کوئی مطلب نہ تھی جس نے قطب شمالی و جنوبی کے اولوالعزم سیاحوں کو ایسے دور دراز اور پر خطر سفر پر آمادہ کیا ہو۔

سب سے پہلا شخص جو ۱۹۰۹ء میں قطب شمالی کی انتہائی حدود تک پہنچ گیا پیری تھا۔ اسکے بعد سے امریکہ اور یورپ کی قومیں قطب شمالی میں پہنچنے کیلئے بیقرار تھیں۔ ہر سال گرمی کی آمد پر سیاحوں کی جماعتیں تیار ہوتی تھیں بیڑے مرتب کئے جاتے تھے۔ ہر شخص کی یہی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح دنیا کی انتہائی شمالی حد تک پہنچ جائے۔ ان مہموں کے نتائج اگرچہ انسانی معلومات میں بیحد اضافہ ہوا اور بعض لوگ دوسروں سے آگے بھی نکل گئے لیکن منزل مقصود تک کوئی نہ پہنچا بعض ناکام واپس آئے سردی اور برف کی نذر ہوگئے۔ بالآخر جولائی ۱۹۰۸ء میں پیری جو اس سے پہلے کئی ایک مرتبہ قطب شمالی کا سفر کر چکا تھا اپنی آخری مہم پر روانہ ہوا پیری اور اسکے رفقاء نیویارک سے چلکر ۵ ستمبر کو راس شیرائیڈن پہنچے یہاں سے انھوں نے کچھ اسکیمو اپنے ساتھ لئے جاڑا راس کولمبیا میں بسر ہوا اور یہیں سامان خورونوش بھی پہنچایا رہا۔ تجویز یہ تھی کہ جسوقت قطب شمالی میں اجالا ہوا اسوقت یہ لوگ اپنی مہم پر روانہ ہو جائیں۔ ۵ مارچ ۱۹۰۹ء کو یہ لوگ اپنے سفر کا بہت حصہ طے کر چکے تھے یہانتک کہ بالآخر ۲ اپریل کو قطب کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ اب یہاں سے قطب کا فاصلہ صرف ایک درجے کا تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی دیر میں یہ لوگ کرۂ ارض کے انتہائی شمالی سرے پر تھے۔ یہاں انھوں نے اپنے آلات سے ضروری مشاہدات کئے اور جب ہر طرح سے یقین ہوگیا کہ اب وہ واقعی قطب شمالی میں کھڑے ہیں تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کا پھریرا نصب کرکے واپس آگئے۔ یہ بتادینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ یہاں ان لوگوں کو کسی زمین کا سراغ نہیں ملا البتہ برف کو توڑ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ نیچے ایک نہایت ہی گہرا سمندر موجزن ہے۔

ننگ خدمت

حق نے شائستۂ ہر باب بنایا تھا ہمیں　　　ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں　　　زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں

ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

درِ مخلوق کو ہم ملجا و ماوے سمجھے　　　طاعتِ خلق کو اعزاز کا تمغہ سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے　　　ننگِ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے

عیب گننے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہر آزادی کو

نوکری ٹھیری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی　　　پیشہ سمجھے تھے جسے ہوگئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی　　　جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اسے کھو بیٹھے

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا　　　کہ نہیں خدمتِ ہم جنس کا اُن پر دھبا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو اس میں گدھا　　　ایک کا ایک کو تابع کہیں دیکھا نہ سُنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

اِس سے بڑھکر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں　　　کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضہ میں عناں ہو
ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں　　　نسلِ آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انساں

ناتواں ٹھیرے کوئی، کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو　　　ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو　　　ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خون ریم بھی ہو مشک بھی ہو

(حالی)

کہانی

ریحانہ

افضل کسی زمیندار کے ہاں نوکر تھا۔ چونکہ وہ محنتی اور اچھا آدمی تھا اس لئے زمیندار اُس سے بہت خوش تھا۔ ایک دن وہ کسی کام سے کھیت میں سے جا رہا تھا کہ ایک مینڈک پر اُس کا پاؤں پڑتے پڑتے رہ گیا۔ اُسی وقت اُسے ایک آواز سنائی دی۔ افضل نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اُسے ایک خوبصورت لڑکی دکھائی دی۔ اُس لڑکی نے افضل سے کہا "تم شادی کیوں نہیں کرتے"؟

"میں شادی کیسے کرسکتا ہوں" افضل نے جواب دیا۔ "میرے پاس صرف ایک کپڑوں کا جوڑا ہے جو میں پہنے ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر میرے ساتھ بھلا کون شادی کرسکتا ہے۔"

"تو تم پھر میرے ساتھ شادی کرلو" لڑکی نے کہا۔

افضل بہت متعجب ہوا کہ یہ لڑکی کون ہے؟ جب افضل نے اُس سے پوچھا تو لڑکی نے جواب دیا "اس وقت مت پوچھو۔ پھر کسی وقت بتاؤنگی۔"

خیر ان دونوں کی اُسی وقت شادی ہوگئی۔ اس کے بعد افضل اور لڑکی دونوں شہر کے کنارے ایک مکان میں رہنے لگے۔

ایک دن بادشاہ گھوڑے پر سے ادھر سے گزر رہا تھا کہ افضل کی بیوی اُسے دیکھنے کے لئے باہر آگئی۔ بادشاہ اُسے دیکھکر حیران رہ گیا۔ "تمہارا کیا نام ہے اور تم کون ہو" بادشاہ نے اُس سے پوچھا۔

لڑکی نے جواب دیا "میں افضل کی بیوی ہوں اور میرا نام ریحانہ ہے۔"

بادشاہ اور بھی متعجب ہوا۔ "تمہارا نام ریحانہ ہے اور تم اسی چھوٹے سے مکان میں رہتی ہو۔ تمہیں تو بادشاہ کے محل میں رہنا چاہیئے۔"

لڑکی نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا "میں اسی حال میں خوش ہوں۔"

اس کے بعد بادشاہ اپنے محل میں واپس چلا گیا لیکن ریحانہ کا خیال اُسے برابر رہا۔

34099

دوسرے دن صبح کے وقت بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلایا اور کہا کہ افضل کا کسی نہ کسی طرح سے خاتمہ کر دینا چاہیئے۔

وزیر نے جواب دیا "حضور یہ تو بہت آسان بات ہے۔ آپ افضل کو یہاں بلاکر کسی کام کا حکم دیجیئے۔ ہم اُسے ایسا کام کرنے کو دیں گے کہ وہ نہیں کرسکے گا بلکہ تھک کر مر جائیگا۔"

بادشاہ نے افضل کو بلوا بھیجا۔ جب بادشاہ کا نوکر یہ حکم لے کر اُس جھونپڑی میں پہونچا تو ریحانہ نے افضل سے کہا۔ جاؤ کام کرو لیکن شام سے پہلے واپس آجانا۔

بادشاہ کے محل میں وزیر نے افضل کو دو آدمیوں جتنا کام کرنے کو دیا۔ افضل نے کام شروع کیا لیکن اُسے امید نہ تھی کہ کام ختم ہو جائیگا۔ شام ہوگئی لیکن افضل بہت حیران ہوا جب اُس نے دیکھا کہ کام ختم ہوگیا ہے۔

جب وہ گھر واپس آیا تو بیوی نے اُس کا حال پوچھا۔ افضل نے کہا کہ مجھے بہت زیادہ کام کرنے کو دیا جاتا ہے۔ ریحانہ نے کہا تم اس کی فکر مت کرو جب کام شروع کرو تو یہ مت دیکھو کہ میں کتنا کام کرچکا ہوں اور کتنا کام رہ گیا ہے۔ بس کرتے ہی جاؤ۔"

دوسرے دن وزیر نے اُسے چار آدمیوں کے برابر کام کرنے کیلئے دیا۔ افضل نے ریحانہ کے حکم کے بموجب اپنا کام شروع کیا اور شام تک ختم بھی کر لیا۔

اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ افضل اسی طرح کام کرتا اور شام کو مکان واپس چلا جاتا۔ جب بادشاہ نے یہ دیکھا تو وزیر کو بلایا اور کہا "میں تمہیں اس واسطے تنخواہ دیتا ہوں کہ بیکار بیٹھے رہو۔ دو ہفتے گزر گئے لیکن تم نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔ تم نے کہا تھا کہ افضل کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

وزیر نے پہلے معافی مانگی اور پھر کہا "حضور وہ آدمی نہیں جن ہے۔ ہم نے اُسے بہت سا کام دیا لیکن وہ ہمیشہ اپنا کام ختم کر دیتا تھا۔ ہم خود اُس سے تنگ آگئے ہیں۔ ہم نے ایک ترکیب اور سوچی ہے۔ آپ افضل کو بلاکر حکم دیجیئے کہ ایک دن میں اس محل جیسا ایک اور محل تیار کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکا تو قتل کر دیا جائے گا۔"

بادشاہ نے افضل کو بلاکر یہ حکم سنایا۔ جب افضل نے یہ سنا تو بھاگ کر مکان

پہنچا اور بیوی سے کہا سفر کا سامان درست کرو۔ جلدی چلو یہاں سے بھاگ چلیں۔

ریحانہ نے کہا آخر اس قدر پریشان کیوں ہو۔ کیا بات ہے۔

افضل نے بادشاہ کا حکم سنایا۔ ریحانہ نے کہا ڈرو مت۔ کھانا کھاؤ اور سو جاؤ۔ صبح کے وقت تمام کام ہو جائے گا۔

افضل صبح اٹھا اور چند ضروری آلات لیکر شہر میں پہنچا۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک اونچا محل تقریباً تیار کھڑا ہے۔ صرف تھوڑا سا کام باقی ہے۔ شام تک نہایت آسانی سے افضل نے اس کام کو ختم کر دیا۔

جب بادشاہ نے محل تیار دیکھا تو دل میں بہت ہی خفا ہوا اور وزیر کو بلا کر کہا ہم افضل کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اب کیا تدبیر کی جائے۔ اگر تم نے کوئی عمدہ تدبیر نہ بتائی تو تمہیں کو قتل کر دوں گا۔

وزیر نے کہا اچھا آپ افضل سے کہئے کہ وہ محل کے اردگرد ایک دریا جس میں جہاز چل رہے ہوں بنا دے۔"

بادشاہ نے افضل کو بلایا اور کہا "اگر تم ایک دن میں محل تیار کر سکتے ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک دن میں محل کے اردگرد ایک دریا جس میں جہاز چل رہے ہوں نہ بنا سکو۔ ایک دن میں یہ کام کر دو نہیں تو تمہاری جان کی خیر نہیں۔"

افضل بہت ہی رنجیدہ پھر ریحانہ کے پاس آیا اور کہا "اب بادشاہ نے اس سے زیادہ سخت کام مجھے دیا ہے۔"

ریحانہ نے کہا "فکر مت کرو صبح ہوتے ہی یہ کام ہو جائے گا۔"

جب صبح افضل شہر میں گیا تو اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ محل کے اردگرد ایک دریا بہہ رہا ہے جس میں جہاز چل رہے ہیں۔

جب بادشاہ نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو بہت ہی حیران ہوا کہ سب کام تیار ہے اب تو اُسے بے انتہا غصہ آیا اور اپنے دل میں کہا کہ اس شخص کو جو کام دیا جاتا ہے کر لیتا ہے کیا کیا جائے۔ آخر اُس نے پھر وزیر کو بلایا۔ وزیر نے کہا "میں اب ایسی ترکیب بتاؤں گا کہ وہ زندہ بچ ہی نہیں سکتا۔ آپ اس سے کہئے کہ ایسی جگہ جاؤ معلوم نہیں کہاں اور وہ چیز معلوم نہیں کیا لیکر واپس آؤ۔ وہ ضرور کہیں جائیگا اور کوئی چیز لیکر واپس آئے گا۔ آپ اُس سے کہئے گا کہ یہ وہ چیز نہیں ہے۔"

بادشاہ بہت ہی خوش ہوا اور وزیر کو بہت سا انعام دیا۔ جب افضل کو یہ معلوم ہوا تو بہت ہی پریشان ہوا اور دل میں کہنے لگا اب کیا کیا جائے۔

افضل نے یہ تمام ماجرا اپنی بیوی سے بیان کیا۔ ریحانہ ذرا متفکر ہوئی اور کہا خیر کوئی بات نہیں۔ لیکن ہمیں احتیاط سے کام کرنا چاہئے۔ اس معاملہ میں تمہیں بہت دور ایک بڑھیا کے پاس جانا ہوگا۔ وہ بڑھیا سپاہیوں کی ماں ہے۔ اسکی مدد ضروری ہے۔ اگر اُس نے تمہاری مدد کی تو تم سیدھے محل میں واپس آ جانا کیونکہ اپنے گھر میں میں تمہیں نہیں ملوں گی۔ تمہارے جانے کے بعد بادشاہ کے نوکر مجھے زبردستی محل میں لیجائیں گے۔ لیکن اگر تم نے اس بڑھیا کی ہدایت کے مطابق کام کیا تو تم مجھے بچا لوگے۔ اتنا کہکر ریحانہ نے افضل کو ایک ڈنڈا دیا اور کہا اس ڈنڈے سے بڑھیا تمہیں پہچان لیگی۔

سفر کا سامان درست کرکے افضل بڑھیا کی تلاش میں نکلا اور دوسرے دن ایک ایسی جگہ پر پہنچا جہاں بہت سے سپاہی قواعد کر رہے تھے۔ افضل کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ قواعد کے بعد سپاہی آرام لینے کے لئے بیٹھ گئے۔ افضل ان کے قریب گیا اور پوچھا "دوستو! تم جانتے ہو اسکا مجھ کو معلوم نہیں کس جگہ کا راستہ کدھر ہے اور وہ چیز معلوم نہیں کیا مجھے کہاں مل سکتی ہے۔"

سپاہی بہت متعجب ہوئے اور کہا بھائی ہمیں تو معلوم نہیں۔ ہم اس کے متعلق خود کچھ نہیں جانتے۔

افضل یہ جواب سنکر پھر آگے کو بڑھا اور آخرکار ایک جنگل میں پہونچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں ایک بڑھیا بیٹھی چرخہ کات رہی ہے۔ افضل نے دل میں کہا یقیناً یہی بڑھیا ہے۔ بڑھیا نے افضل کو دیکھتے ہی کہا تم یہاں کیوں آئے ہو اور تم ہو کون؟

افضل نے وہ ڈنڈا بڑھیا کو دیا۔ بڑھیا نے اُسے دیکھتے ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر پوچھا کیا کام ہے؟

افضل نے سارا حال کہہ سنایا۔ بڑھیا نے کہا "یہ لو دھاگے کا ایک گیند لو اور اس کو اپنے سامنے پھینک دینا۔ جدھر یہ گیند جائے گا اُدھر ہی تم جانا۔ آخرکار تمہیں سمندر کے کنارے ایک بہت بڑا شہر ملے گا۔ اس کے جنوبی دروازہ سے اندر داخل ہونا اور رات بھر کسی مکان میں ٹھہرنے کی اجازت طلب کرنا۔ وہاں جو کچھ تمہیں چاہئے مل جائے گا۔"

"لیکن جب میں اس چیز کو دیکھوں گا تو کیسے جان لوں گا کہ یہ وہی چیز ہے" افضل نے کہا۔ "دیکھو وہاں ایک ایسی چیز ہے جس کا لوگ ماں باپ سے زیادہ حکم مانتے ہیں۔ جب تم کوئی ایسی چیز دیکھنا تو اس کو حاصل کرنے کی

کوشش کرنا۔ جب تم وہ چیز لے کر بادشاہ کے پاس جاؤ گے تو بادشاہ یقیناً کہیگا کہ یہ وہ چیز نہیں ہے جس کو میں چاہتا ہوں۔ تم کہنا اگر یہ وہ چیز نہیں ہے تو اسکو ٹکڑے کرکے دریا میں پھینک دینا چاہئے۔ اسکے بعد تمہاری بیوی تمہیں مل جائیگی"۔

افضل نے بڑھیا کو سلام کرکے وہ گیند اپنے سامنے پھینکا۔ دیا تین دن اور تین رات کے بعد وہ سمندر کے کنارے ایک بڑے شہر میں پہنچا اور جنوبی دروازہ سے داخل ہوکر ایک مکان میں رات بھر کے لئے ٹھہر گیا۔

رات بھر خوب مزے سے سویا اور جب صبح اٹھا تو اس نے سنا کہ باپ اپنے بیٹے کو جگا رہا ہے لیکن بیٹا جگتا نہیں۔ باپ بہت سمجھاتا رہا لیکن بیٹا چارپائی سے نہ اٹھا۔ اس کے بعد ماں نے بہت کوشش کی لیکن بیٹے پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ پھر سو گیا۔ ابھی وہ سویا ہی تھا کہ گلی میں کسی چیز کے بجنے کی آواز آئی۔ لڑکا یہ آواز سنتے ہی اپنی چارپائی پر سے اٹھا اور کپڑے پہن کر گلی میں بھاگ گیا۔

اسی وقت افضل بھی اٹھا اور وہ بھی گلی میں چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی گلے میں ایک بڑی چیز لٹکائے اُسے بجا رہا ہے۔ افضل نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

اُس آدمی نے کہا "ڈھول"۔

افضل بہت حیران ہوا اور کہا یہ ڈھول مجھے دیدو لیکن ڈھول والے نے انکار کر دیا۔ افضل سارا دن اسکے پیچھے پھرتا رہا۔ جہاں وہ جاتا، افضل بھی جاتا۔ شام کے وقت ڈھول والا تھک کر ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ افضل فوراً ڈھول اٹھا کر چلتا بنا۔ پہلے تو بھاگتا رہا اس کے بعد چلنے لگا اور چار روز کے بعد اپنے شہر میں پہنچ گیا۔ سب سے پہلے گھر گیا مگر ریحانہ وہاں موجود نہ تھی پھر وہ محل میں گیا اور بادشاہ سے کہا "میں وہ چیز معلوم نہیں کیا لیکر آیا ہوں"۔

بادشاہ نے کہا یہ تو وہ چیز نہیں ہے۔ افضل نے کہا اگر یہ وہ چیز نہیں ہے تو اسے بجانا چاہئے اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے دریا میں پھینک دینا چاہئے"۔

بادشاہ نے کہا ہاں یہی ہونا چاہئے"۔

اس کے بعد افضل باہر آیا اور زور زور سے ڈھول بجانا شروع کیا ڈھول کی آواز سنتے ہی بادشاہ کی فوج کے سب سپاہی افضل کو سلام کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں کوئی حکم دیجئے ہم اُسے پورا کریں گے۔

بادشاہ نے انہیں بہت منع کیا لیکن سپاہی نہ مانے۔ جب بادشاہ نے یہ حال دیکھا تو حکم دیا کہ ریحانہ افضل کو واپس کردی جائے۔

جب ریحانہ افضل کو واپس مل گئی تو افضل نے ڈھول کے ٹکڑے کرکے دریا میں پھینک دئے۔ بادشاہ کو بہت ہی غصہ آیا اور غصہ میں اپنے وزیر کو قتل کرا دیا اور خود سلطنت چھوڑ کر کہیں جنگل میں چلا گیا۔

اب ریحانہ نے کہا میں فلاں بادشاہ کی لڑکی ہوں اور صرف اس بادشاہ کو سزا دینے کے لئے یہاں آئی تھی۔ اب اس کو کافی سزا مل گئی ہے۔ میرا والد بڑا زبردست شہنشاہ ہے اُس کے قبضہ میں کئی جن ہیں۔ میں انہیں جنوں سے یہ کام لیتی تھی۔ چلو اب ہم اپنے ملک چلیں۔

دو دن کے بعد دونوں ریحانہ کے ملک میں پہنچ گئے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

باہمی جنگ کا انجام

دو شخص ایک سمندر کے کنارے ٹہل رہے تھے۔ کہ اتنے میں انھوں نے ایک سیب دیکھا اور آپس میں لڑنے لگے، ایک نے کہا کہ یہ سیب سب سے پہلے میں نے دیکھا ہے اسلئے یہ میرا ہے، دوسرے نے کہا میں نے اسے زمین سے اٹھایا ہے اسلئے یہ میرا ہے۔ جبکہ وہ اس طرح آپس میں لڑ رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک وکیل صاحب ادھر آنکلے۔ انھوں نے کہا تم لوگ آپس میں لڑتے کیوں ہو؟ میں فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس کا وعدہ کرے کہ وہ میرے فیصلہ سے مطمئن ہو، وہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ تب وکیل صاحب نے کہا، میرا خیال ہے کہ اس سیب کے حقدار تم دونوں ہو۔ لہذا لاؤ میں برابر تم دونوں میں تقسیم کر دوں، یہ کہا اور پھر اس نے سیب کے دو ٹکڑے کرکے بیچ میں جو گودا نکلا اسے اس نے اپنے منہ میں رکھا اور خول کے دونوں حصے ہر ایک کو دیدیئے۔ وکیل کی یہ حرکت دیکھکر وہ بہت خفا ہوئے، لیکن وکیل صاحب نے فرمایا کہ یہ تو میرا محنتانہ تھا۔ جو میں نے لیا۔ سیب کے دونوں حصے تم دونوں میں برابر تقسیم کر دیئے ہیں ◆

آج کل یہی اکثر ہوتا ہے۔ جب دو فریق آپس میں کسی چیز کے لئے لڑتے ہیں۔ تو تیسرا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور فریقین یونہی کھائے میں رہتے ہیں ◆

انجمن خدام جامعہ (رنگون)

انجمن کا قیام اور اس کی کارگزاری

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ماہانہ امداد کی تحریک ماہ اگست ۱۹۳۰ء میں اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول (ملحقہ جامعہ ملیہ) میں ہوئی اس تحریک کے بانی مبانی اسکول کے سپرنٹنڈنٹ مولوی شہباز خاں صاحب ہیں۔ اسکول کے تمام اساتذہ نے اس پر لبیک کہکر اپنے خلوص اور ہمدردی کا ثبوت دیا۔ اسکے بعد رنگون کے تعلیمیافتہ اور روشن خیال طبقہ میں بھی یہ تحریک کی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میں دن بدن کامیابی ہوتی گئی نومبر کے شروع ہفتہ میں چند ایک ہمدردان جامعہ نے مشورہ دیا کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کی غرض سے ایک باقاعدہ انجمن قایم کی جائے۔ چنانچہ ۱۵ نومبر بروز جمعرات بوقت ۸ بجے بعد نماز مغرب رنگون خلافت کمیٹی کے دفتر میں زیر صدارت مولوی شہباز خاں صاحب ایک جلسہ منعقد ہوا۔

جناب صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں جلسہ کی غرض وغایت اور جامعہ کی مالی مشکلات کا ذکر کرنے کے بعد علی احمد خاں (جامعی) کو گزشتہ تین ماہ کی کارروائی کی رپورٹ سنانے کے لئے مدعو کیا۔ پوری رپورٹ کا ماحصل حسب ذیل ہے۔ ماہ اگست میں کل [illegible] جمع ہوئے ۱۵ راگست کو [illegible] کا منی آرڈر (مع محصول) جامعہ کو بھیجدیا گیا۔ اسی ماہ میں دو اور حضرات کا ہمدردان جامعہ کی فہرست میں اضافہ ہوا ان کے چندہ کی مجموعی رقم [illegible] تھی ماہ ستمبر میں کل [illegible] جمع ہوئے چنانچہ [illegible] ماہ گزشتہ کے ملاکر مبلغ [illegible] بذریعہ منی آرڈر (جسکا محصول ماہوار چندہ کے علاوہ ایک صاحب نے ادا کیا) شیخ الجامعہ کے نام ارسال کر دیا گیا۔ اسی ماہ میں پندرہ روپئے ماہوار کا اور اضافہ ہوا۔ اور ماہ اکتوبر میں [illegible] جمع ہوئے۔ ماہ گزشتہ کے پندرہ روپیہ اور ماہ اکتوبر کا چندہ ملاکر کل رقم یکصد بارہ روپئے ہوئی۔ جس میں سے یکصد دس روپئے کا منی آرڈر (جسکا محصول ایک روپیہ ۲ ر تھا) جامعہ کو بھیجا گیا۔ جو دو آنے ماہ اکتوبر کے چندہ میں سے در محفوظ ہیں جمع ہیں۔ اس کے بعد سید بخش احمد صاحب نے انجمن کے قیام کی تحریک پیش کی قطب الدین صاحب صدیقی سکریٹری خلافت کمیٹی نے اس کی نہایت شد و مد سے مخالفت کی۔ کچھ بحث و تمحیص کے بعد بجز مخالف صاحب کے دیگر تمام حاضرین نے تحریک کی تائید میں رائے دی اور تجویز منظور ہوئی۔ ماسٹر یوسف کاکا صاحب نے انجمن کو "انجمن خدام جامعہ" کے نام سے موسوم کرنے کی تجویز پیش کی جو کہ متفقہ طور پر منظور ہوئی۔ اس کے بعد حسب ذیل عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر۔ مولوی شہباز خاں صاحب

نائب صدر۔ سید بخش احمد صاحب معلم ایس۔ پی۔ جی ہائی اسکول اور ایم ایچ۔ ملو صاحب سکریٹری اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول۔

سکریٹری۔ علی احمد خاں بی۔ ایس سی (جامعہ)

جائنٹ سکریٹری۔ ایم قطب الدین صاحب صدیقی سکریٹری رنگون خلافت کمیٹی۔

محاسب۔ عبدالرحمٰن صاحب صدر مدرس مدرسہ عباسیہ رنگون۔

حاجی احمد مدنی ملا داؤد صاحب کی تجویز کثرت آرا سے یہ فیصلہ ہوا کہ انجمن کی کی مجلس انتظامیہ کا انتخاب عمل میں نہ لایا جائے بلکہ انجمن کے ہر رکن کو مجلس کا بھی رکن تصور کیا جائے۔ اخیر میں کرسی صدارت سے انجمن کی سرپرستی کیلئے حاجی احمد مدنی ملا داؤد صاحب کا نام پیش ہوا۔ چنانچہ متفقہ طور پر مدنی صاحب انجمن کے سرپرست منتخب ہوئے۔ ٹھیک ۹ بجے جلسہ برخاست ہوا۔

اسمائے اراکین	رقم چندہ ماہوار
(۱) ایم۔ ایچ ملو صاحب۔	[illegible]
(۲) قطب الدین عالم صاحب۔	[illegible]
(۳) مولوی شہباز خاں صاحب۔	[illegible]
(۴) منشی رفیع الدین صاحب۔	[illegible]
(۵) ماسٹر محمد مسلم صاحب۔	[illegible]
(۶) منشی محمد اسحٰق صاحب۔	[illegible]
(۷) مولانا سید اسماعیل احسن صاحب جوش۔	[illegible]
(۸) ایم۔ ولی محمد صاحب۔	[illegible]

نمبر شمار	اسمائے اراکین	رقم چندہ ماہوار
(۹)	ماسٹر نذیر احمد صاحب -	ے/
(۱۰)	ماسٹر ای - ای - کاکا صاحب -	ے/
(۱۱)	حاجی یعقوب گورا بارا صاحب -	ے/
(۱۲)	سید بخشیش احمد صاحب -	ے/
(۱۳)	ڈاکٹر ایم - این امین صاحب -	ے/
(۱۴)	ماسٹر زین علی صاحب -	۸/
(۱۵)	ماسٹر عارف حسین صاحب -	عه/
(۱۶)	ایم - بی - ڈیسائی صاحب -	عه/
(۱۷)	مولوی محمد حنیف صاحب درباری -	عه/
(۱۸)	ماسٹر قاسم علی صاحب -	عه/
(۱۹)	ڈاکٹر ایس - اے احمد صاحب -	عه/
(۲۰)	سید محمد یوسف احسن صاحب ظفر -	عه/
(۲۱)	ایم قطب الدین صاحب صدیقی -	عه/
(۲۲)	منشی کریم داد خاں صاحب -	عه/
(۲۳)	مولوی رفیع الدین صاحب فانی -	عه/
(۲۴)	اسماعیل قاسم منصور صاحب -	عه/
(۲۵)	مسٹر گرو باتھم صاحب -	عه/
(۲۶)	ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب ندوی -	عه/
(۲۷)	ماسٹر محمد نعیم صاحب -	عه/
(۲۸)	ماسٹر نیاز احمد صاحب -	عه/
(۲۹)	قاضی سید توکل حسن صاحب	عه/
(۳۰)	مسٹر محمد سلیم صاحب -	عه/
(۳۱)	مسٹر بسم اللہ خاں صاحب -	عه/
(۳۲)	مسٹر محمد سلیم صاحب -	عه/
(۳۳)	علی احمد خاں صاحب (جامعی)	ص/

کل میزان یکصد روپیے (مار)

مرسلہ علی احمد خاں سکریٹری انجمن خدام جامعہ

مایوس ہو کر گوتم کے پاس آئی اور سارا ماجرا بیان کیا - گوتم نے اسے سمجھایا اور کہا کہ دنیا کی ہر چیز ایک نہ ایک دن فنا ہونیوالی ہے - عورت پر اس تعلیم کا اتنا اثر ہوا کہ اسے نہ صرف اپنے عزیز بچہ کی موت پر صبر آگیا بلکہ اس دن سے وہ اس کے مذہب میں داخل بھی ہو گئی -

گوتم کا قاعدہ یہ تھا کہ برسات بھر وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم و تلقین کرتے اور جب برسات کا موسم گزر جاتا تو دین کی اشاعت کیلئے انھیں مختلف سمتوں میں بھیجدیتے اور ہدایت کر دیتے کہ تمھارے ساتھ جو سختی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ نرمی برتنا - جو تمھیں دکھ پہنچائے تم اسے سکھ دینا - تم پر جتنی مصیبتیں اور تکلیفیں آئیں، ان کے مقابلہ میں تم ہمت اور صبر سے کام لینا - گوتم نے سب سے پہلی بار جب اپنے چیلوں کو بھیجا ہے تو ان کو یہ نصیحت کی تھی "جاؤ میرے بھائیو! لوگوں کے فائدے اور نفع، دنیا کی بھلائی اور اچھائی کی خاطر ملک کے ہر ہر حصے میں پھرو - لوگوں کو یہ تعلیم سنا دو جو ابتدا میں بھی بھلی ہے اور انتہا میں بھی - پاک اور کامل زندگی بسر کرنے کی منادی کر دو - جاؤ، میں بھی فلاں گاؤں میں جاتا ہوں"۔

گوتم کا آخری زمانہ تمام تر تعلیم اور تبلیغ میں گزرا اور اسی میں انھوں نے اپنی جان بھی دی - ایک بار کپلوشو سے (جہاں وہ پیدا ہوئے تھے) کوسی نارا نامی ایک گاؤں کو جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کی طبیعت یکبارگی خراب ہو گئی اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب وہ نہیں بچیں گے - انھوں نے اپنے ایک عزیز کو پاس بلایا اور اسے تجہیز و تدفین کی ہدایت فرمائی - عزیز نے جو یہ باتیں زبان سے سنیں تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے - گوتم نے عزیز کو روتے دیکھکر سمجھایا اور کہا کہ اے آنند! مت روؤ اور اپنے کو رنج میں نہ ڈالو - جلد یا دیر میں ہر انسان ایک نہ ایک دن اپنی عزیز اور محبوب چیز سے جدا ہو جائے گا - اس دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جو منتشر اور ہلاک نہ ہو - تم بھی ایک دن اسی پھیر کے اس پھندے سے چھٹکارا پاؤ گے"۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے خاص شاگردوں کو بلایا اور یہ آخری نصیحت کی کہ "دیکھو جب میں مر جاؤں اور تمھارے درمیان باقی نہ رہوں تو یہ نہ سمجھنا کہ بدھ نے تمھیں چھوڑ دیا اور اب تم میں موجود نہیں ہے - تمھارے پاس میری تعلیمات ہیں جو میں نے وقتاً فوقتاً تمکو دی ہیں، وہ قوانین ہیں جو تمھارے سنگھ کیلئے میں نے بنائے ہیں - یہ سب تمھاری رہنمائی کیلئے کافی ہیں - بدھ تمھیں چھوڑ کر چلا نہیں گیا ہے"۔ یہ کہتے ہی مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا -

پیامِ تعلیم

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ

ششماہی عہ

فی پرچہ ۱ے

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ للعہ

نصف صفحہ عہ

چوتھائی صفحہ ۳ے

ایڈیٹر: سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۶ ‏ ۷ و ۲۱ جنوری ۱۹۲۹ء ‏ نمبر ۵-۶

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
۱- دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟	"نامہ نگار"	۲
۲- مصر میں ابتدائی تعلیم	حسین حسّان صاحب	۳ و ۴
۳- وفد مدراس کے حالات	نامہ نگار	۵ و ۶
۴- رفتار تعلیم	عبدالواحد صاحب سندھی	۷
۵- اچھی باتیں	....	۸
۶- سمندر کے اندر کی دنیا	سعید انصاری	۹
۷- ارسطو	شیخ محمد انور صاحب متعلم انٹر کالج (مسلم یونیورسٹی)	۱۰ و ۱۱
۸- صداقت کی طاقت	م-ب صاحبہ	۱۲ و ۱۳
۹- چوہا شیر بن گیا	س-ا	۱۳
۱۰- ایک پاگل ہاتھی	محمود بشیر صاحب پٹنہ	۱۴
۱۱- خدائی انتقام	محمد جمیل صاحب طالب علم جامعہ	۱۶
۱۲- معمّہ	خاقان احمد	۱۸

اعتذار

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ اس بار کا پرچہ پھر دو نمبروں کا ساتھ نکل رہا ہے گو ہم نے اسکے حجم میں اضافہ کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لیتھو کیساتھ کتابت کی ایسی دشواریاں رہتی ہیں کہ اُنپر قابو پانا جلد آسان نہیں لیکن شکر ہے کہ اب ہمنے اسکا مستقل انتظام کر لیا ہے اور امید ہے کہ آیندہ وقت پر برابر نکلتا رہیگا۔

مینیجر

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان

پنڈت موتی لال نہرو نے ہندوستان کے تمام اخبارات سے اپیل کی ہے کہ وہ "سائمن کمیشن" کی کارروائیاں اپنے صفحات میں شائع نہ کریں، اسلئے کہ یہ تمام کارروائیاں ایک جھوٹ موٹ کا ڈھکوسلا ہیں جن کے پڑھنے سے نہ ناظرین کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے، نہ ملک کو۔ سر تیج بہادر سپرو، ڈاکٹر اینی بیسنٹ، مسٹر چنتامنی اور دوسرے مقتدر لوگوں نے اس اپیل کی نہایت شوق سے تائید کی ہے۔ اخبارات پر اس اپیل کا نہایت اچھا اثر پڑا ہے اور وہ ان کارروائیوں کے چھاپنے سے پرہیز کر رہے ہیں۔

دسمبر کا آخری ہفتہ قومی میلوں کا ہفتہ ہوتا ہے جس میں تمام قومی انجمنوں کے اجلاس ہر سال مختلف مقامات پر ہوتے ہیں اب کی بار نیشنل کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ پنڈت موتی لال نہرو اس کے صدر تھے۔ ۲۰ دسمبر کو انکا نہایت شاندار استقبال ہوا جس میں ۳۴ گھوڑوں کی چاندی کی گاڑی پر انھیں پھرایا گیا جلوس کوئی ایک میل لمبا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایسا استقبال بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی مشکل سے نصیب ہوا ہوگا۔ کانگریس میں سب سے اہم مسئلہ "نہرو رپورٹ" کے پاس کرنیکا تھا جس میں ہندوستان کے لئے سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ حکومت کا مطالبہ پیش کیا گیا ہے اس طرز حکومت کو "ڈومینین اسٹیٹس" کہتے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو، سری نواس اینگر اور ایک بڑی جماعت اس کی مخالف تھی جو یہ کہتی تھی کہ ہم ہندوستان کیلئے حکومت زیر سایہ برطانیہ نہیں بلکہ کامل آزادی چاہتے ہیں۔ اندیشہ تھا کہ کانگریس "نہرو رپورٹ" کے حامیوں کا ہاتھ سے نکلکر کہیں ان کے ہاتھ میں نہ پڑ جائے۔

اسی زمانہ میں دہلی میں مسلمانوں کی ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کیگئی تھی تاکہ مسلمان جو باہم منتشر ہو رہے ہیں، وہ سب ایک نقطۂ خیال پر آجائیں۔ سر آغا خاں اس کانفرنس کے صدر تھے۔ موصوف نے اپنے خطبہ صدارت کا افتتاح ہی ملک معظم کی دعا صحت سے کیا اور دوسرے پیچیدہ مسائل میں نہایت صفائی سے بچے ہوئے نکل گئے۔ کانفرنس نے جو تجویزیں پاس کی ہیں یا اس سے بڑی حد تک سرکار پرستی کی تو آتی ہے اور وطن خواہی و قوم پروری کی کہیں جھلک تک نظر نہیں آتی ہے۔

ممالک غیر

شنواری جرگہ نے افغانستان کی مشرقی سرحد پر جو بغاوت کی تھی، وہ اب بہت نازک حد کو پہونچ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بغاوت مولویوں اور ملاؤں کے اکسانے سے ہوئی تھی۔ شاہ افغانستان نے پہلے تو صلح جوئی سے کام لینا چاہا اور لوگوں کو سمجھانے بجھانے کیلئے اپنے آدمی بھیجے لیکن جب وہ باز نہ آئے تو ان کو فرو کرنے کیلئے فوجیں اور ہوائی جہاز بھیجے جنھوں نے تمام بغاوت و سرکشی کو چند دنوں میں دبا کر رکھدیا کہتے ہیں کہ اس ہنگامہ میں باغیوں کے ۱۲۰۰ آدمی مقتول اور مجروح ہوئے۔

حکومت افغانستان کی طرف سے جو قونصل ہندوستان میں رہتا ہے، اسکے پرائیویٹ سکریٹری نے یہ اعلان شائع کیا ہے کہ شاہ افغانستان نے سکھوں کو انگریزی ٹوپی (ہیٹ) پہننے کے متعلق کوئی حکم نہیں نافذ کیا ہے۔ سکھ جماعت اور اسکے ذمہ دار لوگوں کی احتجاج اور ناراضگی بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ صرف چند غرضمند لوگونکی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں۔

شہزادہ ویلز جن کی آمد کا مریض باپ اور شاہی خاندان کے ہر رکن کو شدید انتظار تھا وہ اب لندن میں پہونچ گئے لیکن ملک معظم کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ عملیات کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ کبھی حالت رو بصحت ہوتی ہے تو کبھی اسکے برخلاف کہتے ہیں کہ شہزادہ موصوف جو وقت اترے ہیں تو انکے چہرے سے غم اور فکر کے آثار نمایاں تھے۔

یہ خبر نہایت حیرت انگیز طریقہ پر سنی گئی کہ شاہ امان اللہ خاں افغانستان کے تخت سے دست بردار ہوگئے اور ان کی جگہ ان کے بڑے بھائی عنایت اللہ خاں تخت نشین ہوئے ہیں۔ گزشتہ چند ماہ سے افغانستان کے اندر بغاوتوں کا جو سلسلہ جاری ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اندر ہی اندر ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ شاہ موصوف کو مجبور ہو کر تخت و تاج چھوڑنا پڑا۔ اب وہ مع اپنی بیوی ثریا بیگم کے قندہار میں مقیم ہیں۔ دست بردار ہونے سے پیشتر انھوں نے یہ کہا تھا کہ تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے ملک میں قتل و خونریزی ہونے کی بجائے میں اس سے دست بردار ہو کر امن و سکون دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تازہ خبر یہ ہے کہ عنایت اللہ خاں بھی علیحدہ ہوگئے ہیں اور شہر کابل کو بچہ سقہ کابلی نے فتح کر کے تخت پر قابض ہے۔ خیال ہے کہ امان اللہ خاں قندہار اور غزنی کی مدد سے کابل کے تخت پر پھر قبضہ کریں گے۔

مصر میں ابتدائی تعلیم

عہد جدید

اس وقت مصر میں ابتدائی تعلیم نے حیرت انگیز وسعت اختیار کر لی ہے۔ جب سے ڈسٹرکٹ بورڈ کا نظام قائم ہوا ہے اس تحریک میں اور بھی جان پڑ گئی ہے۔

سنہ ۱۹۲۴ء (تعلیمی سال) میں ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ماتحت لڑکوں کے ۶۲ ابتدائی مدارس تھے، جن میں ۴۰۳۰۴ لڑکے تھے۔ ان میں سے ۱۰۴۰ طلبہ نے ابتدائی سندی امتحان دیا۔ اور ۲۴۶ کامیاب ہوئے۔ اسی طرح لڑکیوں کے لئے ۱۳ ابتدائی مدرسے تھے۔ جن میں ۱۱۹۵ طالبات تھیں۔ اس وقت ڈسٹرکٹ بورڈ کا شاید ہی کوئی ایسا مرکز ہے (ان مرکزوں کی تعداد سو کے قریب ہے۔) جس میں ڈسٹرکٹ بورڈ کی جانب سے کوئی ابتدائی مدرسہ نہ ہو، اس کے علاوہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے تمام صدر مقامات میں (تمام ملک میں کل تیرہ ۱۳ صدر مقامات ہیں) اور بعض مرکزوں میں لڑکیوں کے لئے ابتدائی مدرسے ہیں۔

سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء میں حکومت کی جانب سے لڑکوں کے لئے ۴۰ ابتدائی مدرسے تھے، جن میں ۱۴۸۶۶ طلبہ تھے۔ ان میں سے ۲۲۶۵ امتحان میں شامل ہوئے اور ۱۱۹۴ کامیاب ہوئے۔ لڑکیوں کے لئے ۷ مدرسے ہیں۔ جن میں ۱۰۹۳ طالبات تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء میں لڑکوں کی ابتدائی تعلیم کے اخراجات ۲۶ لاکھ ۶۰ ہزار پونڈ تھے۔ اور لڑکیوں کی تعلیم کے ۸۶ ہزار پونڈ۔

سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء میں وزارت تعلیم کے ماتحت ابتدائی مدارس کی تعداد ۵۴ تک پہونچ گئی۔ ان میں سے ۲۰ خاص دار السلطنت میں ہیں۔ اور باقی تمام اطراف ملک میں۔ مدرسوں میں درجوں کی مجموعی تعداد ۴۷۹ ہے۔ اور معلمین کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ ان میں قاہرہ کے دو جدید مدرسے شامل نہیں ہیں (جن کے مدرسین کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔) ان میں سے ۷۲ مدرس عربی زبان اور مذہبی تعلیم دیتے ہیں۔ ۲۶ حساب و جامیٹری، معلومات عامہ ابتدائی علوم اور نقشہ کشی وغیرہ کی تعلیم کے لئے اور ۴۵ علمی و اخلاقی مضامین، یورپی زبانوں، یورپی تحریروں، ترجمہ، تاریخ، تربیت وطنی، ورزش جسمانی اور تدبیر صحت کی تعلیم کے لئے۔ وزارت تعلیم اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے مدارس کے علاوہ اور بھی سینکڑوں ابتدائی مدارس ہیں۔ جو مسیحی مشنریوں (خصوصاً ارتھوڈکس چرچ کے مدارس) خیراتی اور تعلیمی انجمنوں کے مدارس ہیں۔ ان کے علاوہ بعض مدرسے ایسے بھی ہیں جو انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ حکومت کی جانب سے ان تمام مدارس پر پوری توجہ کی جاتی ہے اور بجز مشنری مدارس کے سب کو مالی امداد دی جاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم اب مصر میں ایک منفعت بخش مالی کاروبار ہو گیا ہے۔ بہت سے دولت مند اور اعلیٰ مدارس کے سند یافتہ برابر ابتدائی مدارس قائم کر رہے ہیں۔

جدید قانون

گذشتہ فروری میں ابتدائی تعلیم کی تنظیم اور ابتدائی سندی امتحانات کے لئے جس وقت نیا قانون پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تو استاذ نقراشی رکن مجلس تعلیمی نے اس قانون کو پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ

"سنہ ۱۹۲۴ء تک ابتدائی اور ثانوی مدارس میں تعلیم کی مدت چار چار سال تھی۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں اس مدت میں ایک سال کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن جب موجودہ وزارت برسر اقتدار ہوئی تو وزیر تعلیم نے ایک تعلیمی کمیٹی کے قیام کا حکم دیا جس میں پارلیمنٹ اور دار الاعیان کے ارکان کو بھی شریک کیا گیا۔ اس کمیٹی نے ثانوی تعلیم کی مدت میں ایک سال کا اضافہ مناسب خیال کیا لیکن اس کی رائے میں ابتدائی تعلیم کے لئے چار سال کی مدت کافی ہے۔

چنانچہ پارلیمنٹ میں طے بھی یہی ہوا کہ ابتدائی تعلیم کی مدت چار سال رہے علاوہ ازیں یہ بھی طے ہوا کہ پہلے سال میں کوئی ایسا طالب علم نہ رکھا جائے جس کی عمر ۱۰ سال سے زیادہ ہو۔ یا ۱۲ سال کی عمر کا لڑکا دوسرے سال میں ۱۴ سال

کی عمر کا تیسرے سال اور ۱۴ سال کی عمر کا چوتھے سال میں داخل نہ کیا جائے۔

ابتدائی مدارس کا نصاب حسب ذیل تجویز کیا گیا:-

قرآن کریم ودینیات۔ عربی زبان۔ انگریزی یا فرانسیسی زبان۔ عربی رسم الخط مغربی رسم الخط۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ حساب۔ عملی جامیٹری۔ ابتدائی علوم۔ اخلاق تربیت وطنی۔ تدبیر صحت۔ نقشہ کشی۔ دستکاری۔ باغبانی۔ ورزش۔ کھیل

اختیاری مضامین حسب ذیل رکھے گئے ہیں:-

موسیقی۔ آرٹ (مصوری) ٹائپ رائٹنگ۔ دفتری کام۔ دوسری زبانیں اور ان کے علاوہ وزیر تعلیم جن مضامین کو مناسب خیال کریں۔

طالب علم اپنے سے اوپر کے درجہ میں اسی وقت منتقل ہو سکتا ہے جبکہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جائے جو خاص اسی غرض سے لیا جاتا ہے۔ یہ امتحان محض لازمی مضامین میں ہوتا ہے اختیاری اور اضافی مضامین کے امتحان کا یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ ہر تعلیمی سال کے اختتام سے قبل ایک انعامی مقابلہ ہوتا ہے اور جو طالب علم وزیر تعلیم کی مقرر کردہ شرائط کیمطابق اس مقابلہ میں کامیاب ہوتے ہیں انہیں انعامات دیئے جاتے ہیں۔

جو لوگ ابتدائی نصاب ختم کر چکتے ہیں انکا ہر سال امتحان لیا جاتا ہے۔ اس امتحان میں وہ طلبہ بھی شامل کر لئے جاتے ہیں جنہوں نے مدارس امیریہ یا آزاد یا تقریباً آزاد مدارس میں تعلیم پائی ہو ابتدائی سندی امتحان میں حسب ذیل مضامین کا امتحان تحریری لیا جاتا ہے۔

عربی زبان۔ انگریزی یا فرانسیسی زبان۔ عربی رسم الخط۔ یورپی رسم الخط۔ حساب عملی جامیٹری جغرافیہ۔ تاریخ اور نقشہ کشی وغیرہ۔ انگریزی یا فرانسیسی اور عربی زبان کا تقریری امتحان بھی لیا جاتا ہے۔ طالب علم کامیاب شمار اسی وقت کیا جائیگا جبکہ ہر مضمون میں اسنے مقررہ نمبر حاصل کئے ہوں۔ یا نمبروں کی مجموعی تعداد کا اوسط ۵۰ فی صدی ہو۔ ضمیمہ کا امتحان بھی رکھا گیا ہے۔ وہ طالب علم جو سالانہ امتحان میں شامل نہ ہو سکے ہوں یا کسی ناگزیر مجبوری کیوجہ سے پورے پرچے نہ کر سکے ہوں وہ اس امتحان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اسیطرح وہ طالب علم بھی جو سالانہ امتحان میں ایک یا ایک سے زائد مضامین میں فیل ہو گئے ہوں اسمیں شرکت کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تحریری امتحان میں ان کے مجموعی نمبروں کا اوسط ۴۰ فیصدی سے کم نہ ہو لیکن جو لوگ صرف تقریری امتحان میں ناکام ہوئے ہیں وہ دوسرے سال صرف انہی مضامین میں امتحان دے سکتے ہیں۔

علی الشمسی پاشا سابق وزیر تعلیم نے پارلیمنٹ میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے قوانین سے متعلق ایک یادداشت پیش کی ہے اسمیں انہوں نے بعض بہت اچھی باتیں لکھی ہیں وہ لکھتے ہیں:-

"تعلیم کا اولین مقصد سرکاری عہدیدار پیدا کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ محب وطن اور روشن خیال افراد کا تیار کرنا ہے اسلئے ضروری ہے کہ تعلیم کو بالکل جدید بنیادوں پر قائم کیا جائے جو نئی پود کیلئے نئی نئی راہیں کھولدے جنکے حقوق کامل ہوں اور جنکی ذمہ داریاں بھی اسیطرح پوری ہوں، وزارت تعلیم نے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی رفتار ترقی کو پیش نظر رکھکر جدید سے جدید طرز کا نظام تعلیم وضع کر لیا ہے اسے اس انقلاب کا احساس ہے جو جنگ عظیم کے بعد پیدا ہو گیا ہے۔ قوم کیلئے اسوقت ناگزیر ہے کہ وہ اپنی پیداوار کو بڑھائیں اور تعلیم کا اجتماعی اور اقتصادی ضروریات سے تعلق اور رابطہ پیدا کر دیں وہ نظری علم کوئی اہمیت نہیں رکھتا جس سے ملک کو کوئی محسوس فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ صنعتوں اور فنون کی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ ملک میں عام عملی مہارت پیدا ہو۔ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ قوم کا ایک بڑا طبقہ اپنی ناگزیر ضروریات اور حاجتوں سے مجبور ہو کر اپنی ابتدائی عمر میں میدان عمل میں آجاتا ہے اور محرری صنعت، تجارت، زراعت، مختلف پیشے اختیار کر لیتا ہے اسوقت اگر کوئی چیز اسکی معین ومددگار ہوتی ہے تو عملی تعلیم۔ اسلئے یہ متفقہ خیال ہے کہ تعلیمگاہوں میں عملی علوم کی تعلیم دیجائے اور علوم کی تحصیل عملی ذرائع سے ہو۔"

اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر وزارت تعلیم نے ابتدائی تعلیم میں جدید مضامین کے داخل کرنیکا ارادہ کیا ہے مثلاً اخلاق اور وطنی تربیت وغیرہ تاکہ یہ چیزیں ایک ایسی قوم کی تکوین میں مدد ومعاون ہوں جو اپنی خود مختاری پر قائم ہو، جو اپنے حقوق اور اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہو۔ اور یہ سمجھتی ہو کہ ترقی یافتہ قوموں میں اسکا کیا مرتبہ ہے اسی طرح اس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ ابتدائی علوم اور دستکاری وغیرہ کی تعلیم دی جائے تاکہ بچوں کی اخلاقی اور جسمی دونوں طرح تربیت ہو۔

وزارت تعلیم نے ترقی یافتہ ممالک کے تجربات سے فائدہ اٹھاکر ابتدائی اور ثانوی مدارس میں تنوع پیدا کر دیا ہے اور اسی غرض سے متعدد اختیاری مضامین داخل نصاب کر دیئے ہیں جو ممکن ہے کہ صوبوں کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوں لیکن انکا مقصد واحد ہے۔ تعلیمگاہوں میں تعلیم کی غایت اور طلبا کے مقصد اور نقطۂ نظر کے اعتبار سے تنوع پیدا کر دینا ایک ایسی چیز ہے جسکی وجہ سے مصر کے مدارس ملکی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے میں زبردست ترین معاون ثابت ہونگے اور ملک میں تازہ روح پھونکدیں گے۔

محمد علی پاشا نے ابتدائی تعلیم کا پہلا مقصد فوجی خدمت اور دوسرا مقصد ملکی صنعتی کارخانے رکھا تھا لیکن اب سو برس گزر جانیکے بعد ہم فوجیوں یا عہدہ داروں کے ضرورتمند نہیں ہیں بلکہ ہمیں ضرورت ہے کاشتکاروں اور صناعوں اور کاریگروں کی جو علم کو عمل سے تطبیق دیتے ہوں۔ اگر حکومت نے اس مقصد کو حاصل کر لیا ہے تو حکومت کے سامنے ایک بڑا کام ہے جو تجویز بازی اور قانون سازی سے کہیں زیادہ اہم ہے اور وہ یہ کہ اس نڈی دل فوج کیلئے جو سالانہ ابتدائی مدارس سے امتحان دیکر نکلتی ہے کوئی کام پیدا کیا جائے۔ کیونکہ ابتدائی تعلیم کی سند پانیوالوں میں سے ایک بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ پھاوڑا اٹھائے یا ہل چلائے۔

(تلخیص از "المقتطف")

وفد مدراس کے حالات

جامعہ ملیہ کے لئے ۴۵ ہزار کا سرمایہ

جامعہ ملیہ کی طرف سے مدراس وفد بھیجنے کا خیال ایک عرصہ سے تھا۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے اسمیں ہمیشہ تعویق اور التوا ہوتا رہا۔ بحمد اللہ کہ نومبر کا مہینہ بالآخر اس اہم اور مبارک کام کے لیئے قرار پایا۔ اور صدر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری، مولانا ابو الکلام صاحب آزاد، اور شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب اس ہفتہ میں مدراس پہنچے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب ۱۸ر نومبر کو یہاں تشریف لائے، اور ۲۲ کو واپس ہو گئے لیکن مؤخر الذکر صاحبان ۱۹ر نومبر سے ۱۵ر دسمبر تک مقیم رہے، بلکہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب تو چند دن میسور میں تمام دنیا کے طلبا کی کانفرنس میں ضروری شرکت کرنے کے بعد پھر مدراس تشریف لائے۔ اور یہاں سے ۱۳ر دسمبر کو روانہ ہوئے۔ ہر سہ حضرات مدراس کے مشہور اور فیاض بزرگ سیٹھ جمال محمد صاحب کے مہمان رہے۔

عمائدین شہر سے تعارف دونوں دن یعنی ۱۸ر نومبر اور ۱۹ر نومبر کو اسٹیشن پر عمائدین شہر نے ان معزز مہمانوں کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دوران قیام میں علاوہ ان مصروفیتوں کے جو ڈاکٹر انصاری صاحب کو بہ حیثیت صدر کانگریس کے رہیں، وفد کو وہاں کی مسلم لیگ نے ایک دعوت دی۔ نیز مسٹر سی۔ آر۔ آئینگر صاحب، اور مشہور انگریزی اخبار "ہندو" کے کارکنان نے بھی ایک دن چائے پر بلایا۔ اسکے علاوہ ایک دعوت سیٹھ یعقوب حسن نے بھی دی۔ اور ایک دعوت جناب سیٹھ جمال محمد صاحب نے چائے نوشی کی کی۔ جسمیں خاص طور سے عمائدین شہر کو بھی بلایا گیا تھا۔ اس سلسلہ کی تقریباً ان تمام دعوتوں میں شہر کے با اثر اور سربرآوردہ اشخاص مدعو ہوتے تھے۔ انہی صحبتوں میں وفد کو لوگوں سے جامعہ ملیہ کے حالات بتانے اور اپنے مقاصد کے متعلق گفتگو کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ جس دن سیٹھ یعقوب حسن صاحب کی دعوت تھی، اس روز کی صحبت میں گفتگو وغیرہ ہونے کے بعد لوگوں نے چندے بھی لکھوائے جنکی مجموعی تعداد ۳۰ ہزار تھی لیکن حاضرین میں سے بعض باہمت لوگوں نے اسے ۴۰ ہزار تک پہنچا دینے کا وعدہ کیا۔ یہی وہ وعدہ تھا جو سب سے پہلی بار اخبارات کے ذریعہ لوگوں کے کانوں تک پہنچا۔ (لیکن اب یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے اور ۴۵ ہزار کے قریب سرمایہ وصول ہو چکا ہے) اثنا

جلسے اور تقریریں اس سلسلہ میں کئی ایک جلسے بھی ہوئے۔ سب سے پہلا جلسہ یہاں کی مشہور تاجروں کی بستی "پیری میٹ" کی مسجد میں ہوا جسمیں مولانا ابو الکلام صاحب آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق تقریریں کیں۔ ایک جلسہ مدراس کے طلبا کا شان محمد چھتی صاحب کی صدارت میں ہوا جس میں ہر دو ڈاکٹر صاحبان نے طلبہ کو خطاب کیا۔ "پیری میٹ" کے تاجروں کے اصرار سے ایک جلسہ پھر اُن کی مسجد میں ہوا۔ جس میں مولانا ابو الکلام صاحب آزاد نے وعظ بیان فرمایا۔ ان جلسوں کے علاوہ ایک جلسہ خواتین مدراس نے بھی کیا جس میں مولانا ابو الکلام صاحب باوجود شدید علالت شریک ہوئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب نے اس جلسہ میں تعلیم نسواں پر ایک تقریر کی اور آخیر میں حاضرات کے اصرار سے مولانا نے بھی مسئلہ نسواں پر ایک تقریر فرمائی۔ جلسہ کے بعد خواتین نے جامعہ کے لئے چندہ بھی کیا۔

افسوس ہے کہ ان تمام مصروفیتوں کے باعث مولانا ابو الکلام صاحب کی طبیعت جو کلکتہ سے روانگی ہی کے وقت درست نہ تھی، اور زیادہ ناساز ہو گئی۔ اور مولانا کو یہاں سے اپنا سفر ایک ہفتہ کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔

اسلامی ہند میں بے نظیر مثال مدراس کے مسلمانوں نے جامعہ کے کام سے جو عملی دلچسپی ظاہر کی ہے وہ جامعہ اور مسلمانوں کے لئے ایک فال نیک ہے۔ جامعہ سیٹھ جمال محمد صاحب کی مدد کا حقہ شکریہ مشکل ہی سے ادا کر سکتی ہے۔ سیٹھ صاحب موصوف

ہمارے اسلاف کا ایک نمونہ ہیں۔ جامعہ کی اہمیت اور مسلمان قوم کے لیے اسکی اور اس جیسی تعلیم گاہوں کی ضرورت کو آپ نے خوب سمجھا ہے اسی لیئے جامعہ کے کام کو آپ نے اپنا کام سمجھا۔ اور سچ یہ ہے کہ وفد جامعہ کی تمام کامیابی کا سہرا جمال محمد صاحب ہی کی توجہ اور ہمت کے سر ہے۔

تاجران مدراس کی تعلیمی خدمات

دوسرے لوگوں میں سیٹھ حاجی عبدالحکیم صاحب بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اپنی فیاضیوں کی وجہ سے آپ کا نام شمالی ہند میں بھی مشہور ہے۔ شہر مدراس میں ایک نہایت عالی شان مسافر خانہ اپنے صرف کثیر سے بنوایا ہے۔ ایک مشن ہائی اسکول کو خرید کر اب اسے مسلمان بچوں کے لیئے چلا رہے ہیں۔ اس طرح اپنے وطن وشارم میں بھی ایک مدرسہ اپنی فیاضی سے جاری کر رکھا ہے۔ اسی طرح اور لوگ بھی اپنے اپنے حلقہ میں کام کر رہے ہیں۔ کافی روپیہ مسلمانوں کی بہبودی کے لیئے صرف ہو رہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اکثر جگہ مصارف کی مناسبت سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ اس لیئے کہ دولت اور فکر میں جو اتحاد ہونا ضروری ہے اور جن دونوں کے بغیر ہر ایک کا کام ادھورا رہتا ہے۔ وہ اور جگہوں کی طرح یہاں بھی دشوار ہے۔ لیکن پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ چمڑے کے تاجروں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانان مدراس کی حالت خراب ہے۔ جو لوگ قوم کی قوت وکمزوری کا اندازہ تناسب آبادی سے کرنے کے عادی ہوتے جاتے ہیں انھیں مدراس اور بنگال کے مسلمانوں کی حالت کا غور سے موازنہ کرنا چاہیئے۔

خدا سے امید ہے کہ مدراس میں جامعہ کے کام کی یہ ابتدا دوسری جگہ کے کام کے لیئے فال نیک ثابت ہوگی۔ موجودہ چندہ کی مقدار اگرچہ اتنی نہیں جتنی کہ توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن ادھر مدت سے چمڑے کا بازار خراب رہا ہے۔ اس لیئے یہ بھی غنیمت ہے لیکن موجودہ چندہ سے کہیں زیادہ قابل قدر اور لائق شکر یہ بات ہے کہ جامعہ کے کام سے بعض ایسے لوگوں کو دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے جن میں سے ایک آدمی بھی اس کے تمام مصارف کا کفیل ہو سکتا ہے۔

رفتار تعلیم

مجلس جامعات ہند کا چوتھا سالانہ اجلاس

سر سلطان احمد صاحب نمایندوں کا خیر مقدم کریں گے

انٹر یونیورسٹی بورڈ کا چوتھا سالانہ جلسہ پٹنہ یونیورسٹی کی عمارت میں ۲۸ فروری، یکم مارچ و ۲ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء کو منعقد ہوگا۔ مندرجہ بالا تاریخوں میں ہر روز اجلاس گیارہ بجے سے شروع ہوا کریگا۔ جلسہ کی باقاعدہ کارروائی سے پہلے سر سلطان احمد صاحب وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی نمایندوں کا خیر مقدم کرینگے۔ ڈاکٹر اے۔ سی وولنر وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی صدارت کے فرائض انجام دینگے اور پروفیسر پیشاوری بطور سکریٹری کے کام کرینگے۔

اس سال کے پروگرام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ طبقہ وار اجلاس منعقد ہونگے۔ کانفرنس کے شروع ہونے سے پہلے چند ایام میں ان صوبجات کے نمائندے جنمیں ایک سے زیادہ نمائندے یونیورسٹی کے منفاد عامہ پر بحث کرینگے انٹر یونیورسٹی بورڈ کے جلسوں کے علاوہ اور بعض مفید کام انجام پذیر ہونگے مثلاً نمائندے تعلیمی ادارں، سائنس کالج میڈیکل کالج۔ خدا بخش اور پبلک لائبریری اور مسلم لائبری وغیرہ وغیرہ کا معائنہ کرینگے

سر سلطان احمد صاحب پرنسپل ہارنس اور رائے بہادر ٹوڈھا کرشن چالان کی طرف سے مجلس مذکور کے ارکین کو ضیافتیں دی جائینگی۔

الہ آباد یونیورسٹی کورٹ کے سرکاری ارکان

چانسلر الہ آباد یونیورسٹی نے مندرجہ ذیل حضرات کو الہ آباد یونیورسٹی کورٹ کا رکن نامزد کیا ہے۔

(۱) مسٹر جسٹس سلیمان (۲) مسٹر جسٹس کرجی (۳) سر تیج بہادر سپرو (۴) مسٹر اقبال احمد (۵) مسٹر ار۔ ایم۔ کبن (۶) مسٹر ایچ۔ آر۔ ہیرا۔

وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا استعفا

سر مزمل اللہ خانصاحب نے وائس چانسلر کے عہدہ سے استعفا دیدیا ہے اور اس امر کے کوشاں ہیں کہ وہ جلد منظور ہو جائے۔ یونیورسٹی کی مجلس انتظامیہ سے نواب صاحب نے اپنا جانشین مقرر کرنے کی درخواست کی ہے۔ ۲۰ دسمبر کو مجلس انتظامیہ کا جلسہ ہوا جسمیں نواب صاحب موصوف کا استعفا منظوری کیلئے پیش ہوا۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کا آل انڈیا انٹر کالج ڈبیٹ

۲۴ دسمبر سنہ ۲۸ء کو بنارس یونیورسٹی کی زیر اہتمام ہندوستان بھر کے کالجوں کا آٹھواں سالانہ تقریری مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں پہلا انعام سنٹ زیویر کالج بمبی کے ایک طالبعلم کو ملا۔ دوسرا انعام کرسچین کالج لکھنو کے طالب علم کو۔ اور تیسرا انعام انجنیرنگ کالج بنارس یونیورسٹی کے طالب علم کو ملا۔

بہار میں اردو کی ترویج کا مسئلہ

یکم دسمبر ۲۸ء کو گورنر صوبہ بہار مظفر پور آئے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ بلدیہ زمینداره انجمن اور مسلم لیگ نے سپاسنامے پیش کیے۔ زبان اردو کو لازمی قرار دینے کے مسئلہ پر گورنر نے کہا کہ فرقہ وارانہ جذبات کو نظر انداز کرکے میں اس مسئلہ کا واقعات کی بنا پر فیصلہ کرونگا۔

لاجپت رائے فیلوشپ فنڈ

پروفیسر اے۔ کے سدھانتا دیال سنگھ کالج لاہور کی تجویز ہے کہ لاہور اور بیرون لاہور کی درسگاہیں ملکر ایک "لاجپت رائے فیلوشپ فنڈ" جمع کریں

سائمن کمیشن کی تعلیمی کمیٹی نے اپنا کام ختم کردیا

سر فخرالدین وزیر تعلیمات حکومت بہار کی جانب سے جو گارڈن پارٹی دیگئی تھی، اسمیں شرکت کرنے کے بعد تعلیمی کمیٹی کے ارکین دہلی جارہے ہیں جہاں وہ مقیم رہکر اپنی رپورٹ مرتب کرینگے۔

بنارس میں جسمانی ورزش کی تعلیم کیلئے ایک کالج کے قیام کی تجویز

جسمانی حالت کو بہتر بنانے کے لیئے اور ورزش کرنے کی باقاعدہ تعلیم دینے کے لیئے بنارس میں ہندوں کی جانب سے ایک کالج کھولا جائیگا

مذہب

اچھی باتیں

۱- جب کوئی بات کرو یا سوچو تو ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ تمھارے اوپر خدا ہے جو سب کچھ دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔
۲- اپنے ہم سبق لڑکوں اور ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر اور دوستانہ طریق سے رہو انھیں بھی اپنا بھائی سمجھو۔
۳- اگر اساتذہ تم کو سزا دیں تو سر تسلیم خم کرو کوئی اعتراض نہ کرو اور اپنے حق میں اسے مفید سمجھو جس طرح کوئی ڈاکٹر یا حکیم اپنے کسی مریض کو کڑوی دوا دشمنی سے نہیں دیتا اسی طرح کوئی استاد اپنے شاگرد کو دشمنی سے سزا نہیں دیتا۔
۴- استادوں کا ہر وقت اور ہر جگہ ادب و لحاظ رکھو خواہ مدرسے میں ہوں یا باہر۔
۵- اگر کوئی شخص لکھ رہا ہو یا پڑھ رہا ہو، تو اس کی عبارت کی طرف نہ دیکھو ایسا کرنا سخت بد تہذیبی ہے۔
۶- اپنے استادوں اور بزرگوں کو سلام کیا کرو اور برابر والوں سے بھی بتفت کیا کرو شریف لڑکوں کا یہی دستور ہے۔
۷- بڑوں کا ادب و احترام کرو چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آؤ۔
۸- زور سے کھنکھارنا یا قہقہ لگا کر ہنسنا سخت بے ادبی ہے۔
۹- ناک ہاتھ سے نہ صاف کیا کرو۔ اور نہ آستین یا دامن سے پونچھو یہ وحشیوں اور بد تمیزوں کی عادت ہے۔
۱۰- مدرسہ میں کھانا گلی میں کچھ کھانا سخت عیب ہے پنسل یا قلم کو موتھ میں رکھنا بھی بہت برا ہے اور صحت کے لئے مضر ہے۔
۱۱- مدرسہ میں ہمیشہ صاف کپڑے پہنکر جاؤ اگر ممکن ہو تو مدرسہ کے کپڑے الگ رکھو۔
۱۲- مدرسے کے جو قوانین ہوں ان پر سچے دل سے اور سختی کے ساتھ عمل کرو۔
۱۳- وعدہ ایک طرح کا قرض ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے جھوٹا وعدہ کرنا یا وعدہ کرکے بھول جانا بدترعیب ہے جو کسی شریف آدمی میں نہ ہونا چاہیے۔
۱۴- آرام طلبی اور کاہلی و سستی سے بچو۔ یہ آدمی کو کمزور اور ناکارہ بنا دیتی ہیں اور آنے والی مسرتوں کا خون کر دیتی ہیں۔
۱۵- ہر کام کے لئے ضرورت کے موافق اوقات مقرر کر لو اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا کرو وقت کی پابندی تمام کاموں کو آسان بنا دیتی ہے۔
۱۶- وقت کی قدر کرو کیونکہ یہ بڑی بیش قیمت چیز ہے کھوئی ہوئی دولت مل سکتی ہے گئی ہوئی صحت حاصل ہو سکتی ہے لیکن گزرا ہوا وقت کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔
۱۷- برے لوگوں کی صحبت سے بچو ورنہ تم بھی برے ہو جاؤ گے۔
۱۸- کسی پر حسد نہ کرو دوسروں کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھو۔
۱۹- قسم ہرگز نہ کھاؤ یہ بازاری لوگوں کی اور جھوٹے لوگوں کی پہچان ہے۔
۲۰- قرض سے بچو۔ جتنی چادر دیکھو اتنا ہی پیر پھیلاؤ۔

سائنس

سمندر کے اندر کی دنیا

اس دنیا کا بڑے سے بڑا عقلمند آدمی بھی نہیں جانتا کہ سمندر کے اندر کی دنیا کن کن عجائبات سے بھری ہے لیکن روز بروز حالات کے معلوم کرنے کی جو کوشش ہو رہی ہیں، اس سے اب اتنا اندازہ ہو گیا ہے کہ پانی کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی جاندار شے نہ رہتی ہو۔ قدرت بر و بحر کے کسی حصہ کو خالی چھوڑنا نہیں چاہتی۔ ہر چیز کے لئے ایک جگہ ہے اور ہر جگہ کیلئے کوئی نہ کوئی شے ضرور موجود ہے۔ سمندر کی سطح پر ہم کو ایسے جانور تیرتے نظر آتے ہیں جو خشکی پر نہیں چل سکتے اسی طرح بیچ سمندر میں ایسے جانور ملیں گے جو اوپر سطح پر نہیں آ سکتے۔ ٹھیک اسی طرح تہ میں بھی بعض ایسی مخلوق نظر آئیگی جو وہیں رہتی ہے۔ اچھا اب اگر ہم تحقیق کی نظر سے دیکھیں تو ہمکو اسی پانی میں ایک نہایت عجیب و غریب چیز ملیگی تجربہ کے طور پر کسی تالاب کا ایک چمچہ پانی لو تو تمہیں اس پانی کے اندر اس مخلوق کی اس سے زیادہ تعداد ملیگی جتنی اس پوری دنیا میں انسانوں کی ہے۔ ان کے بڑھنے کی رفتار نہایت عجیب و غریب ہے پہلے ایک ٹکڑے کے دو ہوتا ہے پھر دو چار بنجاتا ہے۔ اسیطرح چار سے آٹھ اور آٹھ سے سولہ۔ انکے لئے اگر مناسب گرمی اور غذا ملتی رہے تو چار دن کے عرصہ میں ایک دس لاکھ ہو جائے، ۱۵ دن میں ایک ارب اور ساڑھے سات میں ایک کھرب لیکن ترقی کی یہ رفتار قایم نہیں رہتی ہے۔ بعض دوسرے اسباب ایسے ہوتے ہیں جو ان کی تعداد کے اضافہ کو روکدیتے یا کم کرتے رہتے ہیں ورنہ تمام پانی ان سے بھر جائے۔

یہ کیڑے جسقدر کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اسیقدر کثرت سے مرتے بھی ہیں۔ انکے مرنے کے بعد انکے جسم کی نہایت چھوٹی چھوٹی خول یا ننھی ننھی گھونگھیاں جو جمع ہوتی جاتی ہیں انسے ایک مدت کے بعد کھریا مٹی کی سی ایک چٹان بنجاتی ہے جو کبھی کبھی تو سمندر کے اوپر بھی نمودار ہو جاتی ہے۔ اس ایک چٹان کے بننے میں اربوں بلکہ کھربوں سے بھی زائد کے جسم کام آتے ہونگے اور ان کے اس حد تک پہنچنے میں ہزاروں سال لگے ہوں گے۔

نہ صرف چھوٹی چھوٹی کھریا مٹی کی چٹانیں بلکہ بڑے بڑے پہاڑی سلسلے بھی ان جیسے کیڑوں کے مردہ جسموں سے تیار ہوتے ہیں۔ عرب کا کوہستانی سلسلہ ایسے ہی کیڑوں کے جسموں سے بنا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ تمام علاقہ پانی کے اندر ڈوبا ہوا تھا لیکن بعض قدرتی تغیرات کی بنا پر یہ حصہ خشکی سے بدل گیا اور اس علاقہ میں کوہستانی سلسلے جو ہم دیکھتے ہیں وہ اسی زمانہ میں پانی کے اندر ہی اندر تیار ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مصر کے اہرام اور ابو الہول جو دنیا کے عجائبات میں سے سمجھے جاتے ہیں، انہی مردہ کیڑوں کے جسم سے بنے ہیں۔ اسیطرح یہ بھی کہنا غلط نہ ہوگا کہ پیرس لندن کی اکثر خوبصورت عمارتیں بھی اسی مخلوق کے گوشت پوست سے بنی ہیں۔

ایک پتھر کی عمارتوں ہی پر کیا موقوف ہے، بعض بہترین زیورات مثلاً ہار اور کنٹھے وغیرہ بھی جو نہایت خوشنما اور قیمتی پالش کئے ہوئے گھونگھوں سے بنتے ہیں، انہیں کیڑوں کی بدولت میسر آتے ہیں۔ بہت عرصہ قبل یہ گھونگھیاں سمندر کے جالے پکڑی جاتی تھیں اور اسوقت انکے متعلق یہ خیال تھا کہ سمندر کے پھول ہیں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ گھونگھیاں پانی کے اندر نہایت نرم اور ملائم ہوتی ہیں لیکن جونہی انکو پانی سے باہر نکالا جاتا ہے، ہوا لگتے ہی وہ سخت ہو جاتی ہیں لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے ایک عقلمند شخص نے اسی بات کا تجربہ کرنیکے لئے ایک بار پانی کے اندر غوطہ لگایا اور دیکھا کہ وہاں بھی یہ گھونگھیاں اسی قدر سخت ہیں جسقدر باہر معلوم ہوتی ہیں۔

ان گھونگھوں کی زندگی بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی شہد کی مکھیوں کی۔ وہ بھی اپنے لئے اسیطرح گھر بناتی ہیں جسطرح شہد کی مکھیاں اور انہی کی طرح اپنے لئے سمندر کے پانی سے غذا فراہم کرتی ہیں۔ یہ مکانات مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں، کوئی نیلا، کوئی اودا، اور کوئی گلابی رنگ کا ہوتا ہے۔ انکے اور شہد کی مکھیوں کے مکانات میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ یہ اپنے مکانات کسی خارجی چیز سے نہیں بناتیں بلکہ انکے مکانات خود انکے جسم کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہ سب سے پہلے اتھلے پانی سے بنانا شروع کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ اپنی دیواریں اتنی بلندی تک لے آتے ہیں کہ وہ سطح کے باہر چٹان کی شکل میں نظر آنے لگتی ہیں۔ وہ بعض وقت لمبائی اور چوڑائی دونوں میں اسقدر وسعت سے پھیل جاتی ہیں کہ ایک جزیرہ سا بنجاتا ہے اور اسٹریلیا کے قریب آج کتنے جزیرے ایسے ہیں جو انہی گھونگھوں سے بنے ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ طوفانی سمندروں کے اندر ایک لائٹ ہوس بنانا کس قدر دشوار کام ہوتا ہے لیکن یہ گھونگے سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل لمبی دیواروں کی بنیادیں انہی طوفانی سمندروں میں رکھتے ہیں۔ اسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر اسکی ایک دیوار ہزار میل لمبی ہے۔ کسی شخص کا قول ہے کہ ان گھونگھوں کے حیرت انگیز کارنامے دیکھکر تو دیوار چین اور اہرام مصر کھیل معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخ

ارسطو (۳۸۴-۳۲۲ قبل از مسیح)

موسم گرما میں ایک روز، دوپہر کے بعد جبکہ گرمی پڑ رہی تھی ایک اجنبی اور نازک نوجوان جس کی عمر کل اٹھارہ سال ہوگی ایتھنز (Athens) کی بڑی منڈی میں وارد ہوا اور اس نے شہر کے ایک باشندہ سے جو کہ کاہل اور آوارہ گرد شخص تھا سوال کیا کہ افلاطون فلسفی کے مکان کو کون سا راستہ جاتا ہے؟

"یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ تم وحشی اور جنگلی آدمی ہو" اس کاہل شخص نے اس نوجوان کی وضع قطع کو حقارت کی نظر سے دیکھکر جواب دیا۔ اور پھر قہقہہ لگا کر کہنے لگا "تمہیں اتنا معلوم نہیں کہ افلاطون فلسفی کسی دوسرے ملک میں بغرض سیاحت گیا ہوا ہے اور یہ دور دور تک مشہور ہو چکا ہے خیر یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے وارد ہوئے ہو؟

"میں نکوسیس کا لڑکا ہوں جو بادشاہ مقدونیہ کا طبیب ہے اور میرا نام ارسطو ہے اور میں اسٹیجرا کا رہنے والا ہوں میں ایتھنز میں فلسفہ اور حکمت سیکھنے کے لئے آیا ہوں میں تمہاری لغویات سننے کیلئے تیار نہیں ہوں" نوجوان ارسطو نے حقارت سے جواب دیا۔

"شریر لڑکے" اس ایتھنز کے باشندے نے جواب دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد کہنے لگا اگر تمہیں افلاطون کی درسگاہ میں پہونچنا ہو تو شمال کی طرف ڈپلن دروازے سے نکلکر دریائے سفیرز کے پار ایک میل کے فاصلہ پر ایک باغ ملے گا جس کے چاروں طرف دیوار ہے۔ وہاں تمہیں لڑکوں کے پڑھنے اور شور کرنے کی آواز سنائی دیگی۔ وہاں ٹھہر جانا کیونکہ وہی افلاطون کا مکان ہے"۔

نوجوان ارسطو اس آوارہ گرد کی بدتمیزی پر ناک بھوں چڑھا کر چلا گیا اور راستے میں اُن سر بفلک عمارتوں کو بنظر حیرت دیکھتا گیا۔

ارسطو جس وقت اپنے گھر میں اپنے باپ سے علم طب سیکھا کرتا تھا تو اسکی یہ انتہائی خواہش تھی کہ ایتھنز جو اُس وقت فلسفہ اور آرٹ کا مرکز تھا وہاں جائے اور افلاطون سے درس حاصل کرے جس کی شہرت دور دراز تک پھیل چکی تھی۔

اپنے باپ کی وفات پر وہ ایک چودہ سالہ لڑکا تھا اور اب اُس کیلئے یہ نادر موقع تھا کہ اپنی دیرینہ تمناؤں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔ چنانچہ آج ارسطو ایتھنز کے بیت العلوم کے دروازہ پر کھڑا افلاطون کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ افلاطون کو تین سال کے لئے ایتھنز سے باہر رہنا تھا چنانچہ نوجوان ارسطو کو تین سال تک بوڑھے فلسفی کا انتظار کرنا پڑا اور اس عرصہ میں اُس نے شہر ایتھنز کو اچھی طرح دیکھا اور جو چیز نئی دیکھتا اسکو بغور مطالعہ کرتا۔

ایتھنز کی سیاسی طاقت بوجہ ان جنگوں کے جو اسکو اسپارٹا (Sparta) اور تھیبز (Thebes) کے خلاف لڑنی پڑی بالکل تباہ ہو چکی تھی اور شمال کیطرف مقدونیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت اُن کے لئے ہر وقت باعث خطرہ تھی۔ مگر با وجود ان باتوں کے ایتھنز اپنی پرانی عظمت اور شوکت کا مرقع تھا۔ اسمیں ہر قسم کے عیش و عشرت کے سامان موجود تھے گو وہاں ظالم اور جابر بادشاہوں نے حکومت بھی کی تھی مگر جہانتک دماغی ترقی کا تعلق تھا وہ بالکل آزاد تھی۔

باوجود اس بات کے کہ نوجوان ارسطو کے پاس کثیر دولت تھی اُس نے ایک سنجیدہ اور شریفانہ زندگی بسر کرنا پسند کی چنانچہ اُس نے ایتھنز میں ایک مکان خریدا اور ایک کتب خانہ بنانا شروع کیا۔

افلاطون کی مدت انتظار میں ارسطو ایک دنیا دیدہ۔ ذہین اور آزاد خیال آدمی بن چکا تھا

جب افلاطون اپنی سیر و سیاحت سے لوٹا تو اُس نے اپنے اس نئے شاگرد کی زبردست ذہانت اور قوت ادراک کو بیک نظر بھانپ لیا اور ارسطو کا وہ ذہن جس کو افلاطون کے اصولوں کو تہ و بالا کرنا تھا جسکو نئی علمیت اور نئے اصولوں کی بنیاد رکھنی تھی جسکو اس اسٹیجرا (Stagira) کے نوجوان کو دنیا کا سب سے بڑا فلسفی بنانا تھا افلاطون کی تدریس سے اور چمکا۔ ارسطو ۲۰ سال تک ایتھنز میں رہا جبکہ افلاطون ۳۴۷ ق م میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد مقدونیہ کے بادشاہ فلپ نے ارسطو کو اپنے ہونہار بیٹے کا اتالیق مقرر کیا جو بعد میں صفحۂ تاریخ میں اسکندر اعظم کے لقب سے موسوم ہوا ہے بارہ سال تک یہ زبردست

فلسفی اس مشہور روزگار فاتح کے ساتھ رہا - پہلے پہل اسکا اتالیق ، پھر مشیر اور بعد ازاں ایک دوست کی حیثیت سے -

اس عرصہ میں جبکہ ڈی ماستھینز (Demosthenes) جو کہ ارسطو کے ایک سال بعد پیدا ہوا تھا - اُس نے ایتھنز میں ارسطو کے خلاف بڑا زبردست پروپگنڈا کیا - کیونکہ وہ مقدونیہ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھا - اور ارسطو اہل مقدونیہ کے پاس تھا - مگر دوسری طرف ارسطو اہل مقدونیہ کے دلوں میں تہذیب اور فلسفہ کا بیج بو رہا تھا - غرض یہ اسی فلاسفر ارسطو کی بینظیر عقل اور اثر کا نتیجہ تھا کہ ایتھنز ان سکندری طوفانوں سے بال بال بچ گیا - جبکہ اس کا فتح ہونا قطعی ممکن تھا - جب سکندر اعظم ایشیائی معرکوں کے لیئے نکلا تو ارسطو ایتھنز واپس چلا آیا - اور وہاں ایک بیت العلوم کی بنیاد ڈالی - جسکو لیسی ام (Lyceum) کہتے ہیں یہ درسگاہ ، آپالو لی سیسی ام (Apoll Lyceum) کے مندر کے نزدیک تھی اور اس درسگاہ میں ارسطو نے اپنے اُستاد افلاطون کی طرح ایک اِدھر اُدھر ٹہل کر پڑھانے کی جگہ بنائی - جسکو یونانی میں پیری پیٹس ( ) کہتے ہیں - اور اس لیئے ارسطو کی فلاسفی کو پیری پیٹٹک (Pinpatistic) فلاسفی کہتے ہیں -

سکندر کی وفات کے بعد اہل ایتھنز نے بغاوت کا علم بلند کیا حالانکہ ارسطو کو سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں تھا - اور اس کے دشمنوں نے محض اسکی سکندر سے دوستی کی وجہ سے وہی کفر کا فتویٰ ارسطو پر عائد کیا جسکی بنا سقراط ۷۵ سال ارسطو سے پہلے موت کا ذائقہ چکھ چکا تھا - مگر ارسطو سنہ ۳۲۲ قبل مسیح میں (Clalss) ( ) جو کہ جزیرہ این لوبا (Enlivia) ( ) میں ہے وہاں بھاگ گیا - اور وہیں ۶۳ برس کی عمر میں مر گیا -

ارسطو نے نہ تو اپنے زمانہ میں کوئی انقلاب پیدا کیا - اور نہ اپنے ساتھیوں میں کوئی برقی لہر دوڑائی - کیونکہ وہ ان تمام باتوں سے بالا تر تھا وہ ایک عالم تھا جس کا دماغ تمام چیزوں پر حاوی تھا - وہ نہ صرف غور و خوض کرنے والا فلاسفر تھا بلکہ رزو و فہم قدرت کا مشاہدہ کرنیوالا علم کو باقاعدہ ترتیب دینے والا تھا - وہ حقیقی فلاسفر تھا جسکی بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ اُس نے سائنس اور فلاسفی کے اصول کو پختہ بنیادوں پر قائم کیا -

اس نے علم کی مختلف شاخیں مثلاً علم طبیعات ، علم الٰہی ، معرفت علم النفس ، علم اخلاق ، علم سیاسیات ، علم انشاء ، فصاحت و بلاغت شاعری اور علم منطق کی تشریح کی - اور اُن کی باقاعدہ ترتیب دی - اور دراصل مروجہ سائنس کا وہی بانی تھا -

اسکندر کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے باپ کی قسم مجھے سب کچھ ارسطو نے سکھایا - اور بتایا کہ شرافت کی زندگی کیسے بسر کرنی چاہیئے -

دو ہزار سال بعد مشہور شاعر گوئٹے (Goete) نے کہا کہ اس پرامن زمانے میں میرے پاس جوانی کی سی دماغ میں قوت اور طاقت ہوتی تو میں تمام یونانی حکمت پر صرف کرتا - اور قدرت (Nature) اور ارسطو کو میں صرف مطالعہ کرتا - ارسطو ایک دنیا کا بڑا محسن ہی جو تمام علوم پر سب سے بڑا اُستاد مانا جاتا ہے - جیسا کہ دانتے (Dante) نے کہا ہے کہ وہ دنیا کے ان بڑے اُستادوں میں سے ہے جن کی زندگی حقیقت کی محبت سے لبریز ہے -

ارسطو اور اس کے شاگردوں نے علم سائنس کے اصولوں کو اکٹھا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا -

غرضکہ اس کا مشہور شاگرد سکندر جس وقت دنیا کو تلوار کے زور سے فتح کر رہا تھا ، اُس وقت ارسطو نے اپنے دماغ سے دُنیا کو مسخر کر لیا -

صداقت کی طاقت

بہت زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک جگہ ایک بڑا دیو عفیر نامی رہتا تھا۔ یہ دیو نہایت قوی ہیکل تھا۔ اور اسقدر اسمیں طاقت تھی کہ کیسا ہی زبردست اور مشکل کام ہو آناً فاناً کر ڈالتا تھا۔ پہاڑوں کو اپنی انگلی کے سرے پر اٹھا کر اس ملک سے اُس ملک میں منتقل کر دینے کی اسمیں طاقت تھی اس طاقت و قوت کے اظہار کا اسکو کوئی موقع حاصل نہ تھا۔ اس کی یہی آرزو اور یہی تمنا تھی کہ اس کا کوئی حریف اور مدمقابل ملے تاکہ وہ اپنی طاقت اور اپنے زور کا امتحان اور اس کی نمائش کر سکے۔ اور وہ شب و روز اسی فکر میں غرق رہا کرتا۔ ایک دن وہ اپنی دُھن میں ایک اونچے ٹیلے پر چہل قدمی کر رہا تھا کہ اُسے ایک بوڑھا آدمی ٹیلے کے نیچے نظر پڑا عفیر اسے دیکھتے ہی اسکی طرف لپکا۔ اور اُس سے دریافت کیا کہ "بڑے میاں! تم مجھے جانتے ہو؟ اور کیا کسی ایسے دیو سے بھی واقف ہو جو مجھ جیسا قوی و زور آور ہو؟" بوڑھے آدمی نے غور سے عفیر کو دیکھا اور کہا "میں اگرچہ تم سے واقف نہیں، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ تم ایک ہٹے کٹے دیو ہو۔ لیکن اگر تم میرے ہمراہ چلو تو میں دریا پار ایسی مخلوق سے ملا دوں گا جسکا ہر بچہ تم جیسے دیو سے زیادہ مضبوط اور توانا ہے"

بوڑھے کی اس بات پر پہلے تو دیو ہنسا۔ لیکن جب اس نے بوڑھے کی بزرگ صورت اور سنجیدہ نظروں کو دیکھا تو اسکی ہنسی خود بخود رُک کر ادب و تعظیم کے اظہار سے بدل گئی۔ دیو نے کہا "بڑے میاں! اگرچہ آپ کی یہ بات مضحکہ خیز ضرور ہے کہ آدمی! اور پھر آدمی کا بچہ میری طاقت، میرے زور اور میری قوت کا مقابلہ کرنے کی جرأت تو درکنار، مجھ سے بازی لے جانے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن آپ کی بزرگی سے ضرور مجھے آپ کی بات باور کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اور چلیے! میں آپ کے ہمراہ چلنے کو طیار ہوں"

"آئیے! آپ بوڑھے ہیں اور میں جوان! میں آپ کو اپنی پشت پر سوار کر لوں۔ اس طرح یہ راستہ جلد اور بآسانی طے ہو جائے گا۔"

بڑے میاں نے پہلے تو تامل کیا۔ بعد کو عفیر کے اصرار پر رضامند ہو گئے۔ اور عفیر نے انہیں اپنی پشت پر سوار کر لیا۔ بڑے میاں کی رہبری اور ہدایت پر عفیر دریا پار صداقت نگر میں پہنچ گیا۔ اور کچھ فرلانگ کی مسافت طے کرنے کے بعد بستی میں آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ ہر بچہ ہر بوڑھا اور ہر جوان نہایت بشاش، خوش و خرم اور توانا نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ دیو کے اور آدمی کے جثہ اور جسم میں آسمان و زمین کا فرق ہے اس لئے پھر اُسے بڑے میاں کی بات پر شک ہوا۔ اور اُس نے اپنے دل میں کہا کہ اب دُور ہی کیا رہا ہے۔ ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔ بڑے میاں عفیر کو صداقت نگر کے امیر کے پاس لے گئے۔ اور انکی خدمت میں اُسے پیش کیا۔ امیر نے جب عفیر کی خواہش کا احوال سنا تو بڑے میاں سے کہا کہ "اچھا ہے۔ آج بعد نماز عصر جامع مسجد کے سامنے والے میدان میں عفیر جس بچہ اور جس شخص کے ساتھ جس طرح پر طاقت آزمائی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اور اس نبرد آزمائی کی باقاعدہ نمائش کا انتظام ہو۔ صداقت نگر کا ہر فرد عصر کے بعد میدان میں جمع ہو جائے۔"

امیر کے اس فرمان پر تمام بستی میں ڈھنڈورا پٹ گیا۔ اور عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد کے سامنے ایک جم غفیر لگ گیا۔ عفیر نے اپنا مقابل طلب کیا۔ اور مجمع میں سے ایک بچہ جسکی عمر کوئی ۱۲ یا ۱۳ سال کی ہوگی سامنے آیا اور دیو سے طریق قوت آزمائی دریافت کیا۔ عفیر چونکہ وزن کشی اور بار برداری میں زیادہ مشاق تھا اُس نے یہی مطالبہ کیا کہ جو ہم دونوں میں سے زیادہ وزن اپنی پشت پر اٹھا کر ایک میل کی مسافت طے کر لے وہی فاتح اور زور آور ہے۔

لڑکے نے کہا بہت بہتر! آپ مجھے اٹھا کر لے چلیے اور میں آپکو۔ عفیر اس بات پر زیر لب مسکرایا اور ایک مسرت کے اظہار کے ساتھ اُس نے لڑکے کو اپنی پشت پر سوار ہونے کے لئے کہا۔ لڑکا خود ہی اُچک کر

عفیر کی پشت پر سوار ہوگیا ۔ لیکن عفیر کا خیال قطعی غلط تھا کہ لڑکا چھوٹا سا ہے وہ اُسے بآسانی اپنی پشت پر سوار کرکے ایک میل لے جاسکے گا ۔ اور لڑکا مجھ جیسے قوی ہیکل دیو کا وزن کس طرح برداشت کرسکے گا ۔ اس لئے یہ شرط قطعی طور پر میں ہی جیتونگا ۔ مگر بالکل اس کے برعکس معاملہ تھا ۔ لڑکے میں بلا کا وزن تھا ۔ اُسکے بار سے عفیر کی پشت ٹوٹی جارہی تھی ۔ اور وہ پسینہ پسینہ ہوگیا تھا ۔ ایک قدم چلنا دشوار تھا پانچ چھ قدم بڑی مشکل اور بڑی جان ہاری سے طے کیئے تھے کہ بارِ عظیم سے اُسکے قدم لڑکھڑا گئے اور عفیر پست ہو کر گر پڑا ۔

عفیر گرا اور گرنے سے بحد شرمندہ تھا ۔ وہ گویا اپنی شہرت میں آیا ۔ ایک بچے سے اور پھر آدمی کے بچے کے مقابلہ میں وہ ناکام رہا ۔ اسکو جو گھمنڈ اور جو غرور اپنی قوت و زور پر تھا وہ غلط ثابت ہوا ۔ وہ اٹھا اور بڑے میاں کے قدموں پر گر پڑا ۔ اور اپنے غرور و تکبر کی معافی مانگی

بڑے میاں نے اُسے سینہ سے لگایا ۔ اور صداقت نگر کے ہر شخص نے اسکی تشفی کی ۔ اور تسلی و دلاسہ دیا ۔

عفیر نے بڑے میاں سے دست بستہ عرض کیا کہ "اب آپ نے جہاں اتنے احسان کیئے وہاں اتنا کرم اور کیجئے کہ میری اس حیرت کو اور اس تعجب کو اور رفع فرما دیجئے کہ اس دیس کے مرد و زن طفل و جوان اسقدر طاقتور اور قوی و تندرست کیوں ہیں ۔ اور ان کی اس غیر معمولی قوت کا کیا سبب ہے ؟

بڑے میاں نے کہا کہ "بیٹا ! یہ صداقت نگر ہے ۔ سچائی کی بستی ہے یہاں کے لوگ حق پرست ہیں ۔ سچی باتوں کے عامل ہیں اور سچ پر قائم ہیں ۔ راستی اُنکا شیوہ ہے ۔ راست بیانی اور راست روی کی بدولت اُن میں یہ زبردست قوت ہے ۔ اور یہ قوت وہ طاقت ہے کہ جسکو کبھی زوال نہیں ۔ اور مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد دنیا و آخرت دونوں میں یہ قوت قائم رہتی ہے "۔

عفیر نے کہا "تو اے چچا ! میں بھی اب اسی دیس میں رہونگا ۔ اور میں بھی اسی روحانی قوت کو حاصل کرونگا جو اس ملک کے باشندوں کو حاصل ہے "۔ چنانچہ عفیر نے ایک منڈیا ڈال لی ۔ اور بستی کے کنارے رہنے لگا ۔

چوہا شیر بن گیا

کسی زمانہ میں ایک برہمن تھا جو ایسی پاک اور مقدس زندگی بسر کرتا تھا کہ اسے خدا نے چیزیں پیدا کرنے اور ان کی ہیئت بدل دینے کی طاقت عطا کردی تھی ۔ ایک دن کا قصہ ہے کہ ایک چوہے پر ایک چیل نے حملہ کیا ۔ چوہا بیچارا چیل کے حملہ سے ڈر کر برہمن کی آستین میں جا چھپا "چھوٹے چوہے ! چھوٹے چوہے" برہمن نے کہا "یقین رکھ تو بہت جلد ایک بلی بن جائے گا" چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں چوہا ایک بلی کی شکل میں تبدیل ہوگیا ۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک کتے نے اس بلی کو دوڑایا ۔ بلی ڈر کر برہمن کے ہاں پناہ گزین ہوئی "چھوٹی بلی ! چھوٹی بلی !" برہمن نے کہا "یقین رکھ تو بہت جلد ایک کتا ہو جائے گی" پس وہ چھوٹی بلی عنقریب ایک کتا بن گئی ۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شیر نے اس کتے کا پیچھا کیا ۔ کتا غریب اگر برہمن کے مکان میں چھپ رہا ۔ "اچھے کتے ! اچھے کتے" برہمن نے کہا "یقین رکھ تو بہت جلد ایک شیر ہو جائے گا" چنانچہ وہ کتا شیر ہوگیا اور اب برہمن اور شیر دونوں نہایت خوش خوش رہنے سہنے لگے ۔

ایک دن اس برہمن کے کچھ دوست اس سے ملنے آئے ۔ ان میں سے ایک شخص اس شیر کو دیکھ کر بولا "دیکھو ، یہ شیر کبھی بلی تھا کہ نہیں تھا ؟" دوسرے نے حیرت سے پوچھا "ہاں ، ہاں وہ بلی خود بھی کبھی چوہا تھی" تیسرے نے کہا "چوہا ؟" سب حیرت سے یوں اٹھے اور اپنے برہمن دوست سے پوچھنے لگے کہ "کیا یہ سچ ہے ؟" "ہاں !" میرا یہ شیر کبھی چوہا تھا اور اپنے یقین کی وجہ سے یہ رفتہ رفتہ شیر بن گیا " شیر نے جب لوگوں کے سامنے برہمن کی یہ باتیں سنیں تو اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا اور سوچنے لگا کہ جب تک یہ برہمن زندہ ہے بھلا میری کون عزت کرے گا ۔ بہتر ہے کہ اس کا خاتمہ کردیا جائے ۔ چنانچہ یہ ارادہ کرکے ایک دن اس نے جب برہمن کو اکیلا پایا تو اس پر حملہ کرنا چاہا برہمن نے جب اس کی یہ نیت بد دیکھی تو اس سے مخاطب ہو کر بولا "اے شیر ! چونکہ تو نے اپنا یقین کھو دیا ہے ۔ اس لئے پھر تو چوہے کا چوہا ہو جا" اتنا کہنا تھا کہ وہ شیر چوہا بن گیا اور وہی چیل اس کے سر پر منڈلاتی ہوئی نظر آئی ۔ چیل نے ایک جھپٹا مارا اور چوہے کو لیکر آسمان میں اُڑ گئی ۔

ایک پاگل ہاتھی

آج کل البتہ کوئی داروغہ جی کو نہیں پوچھتا۔ لیکن پہلے ان لوگوں کی بڑی بنی ہوئی تھی۔ جس کسی کو داروغائی ملی بس سارا خاندان نہال ہوگیا۔ اور بستی کے سارے بھائی بند حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ دیہات کے غریب لوگ تو ایسے سہمے رہتے تھے کہ خدا کی پناہ کوئی پچاس سال کا زمانہ ہوا ہوگا جب تیغ علی خاں پٹنہ ضلع کے اطراف میں داروغہ ہوئے یہ آدمی تھے بڑے رعب داب کے، بڑے بڑے زمینداران سے تھر تھر کانپتے تھے۔ ہر پرب میں چاہے ہندو کا یا مسلمان کا داروغہ جی کو تحفہ ملنا ضرور تھا۔ ورنہ غریب زمیندار کو کسی آفت سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ داروغہ جی کو بہت دور جانا تھا ایک مستعد سپاہی کو بابو جنگ موہن سنگھ کے یہاں بھیجا کہ داروغہ جی نے سلام کہا ہے اور ایک ہفتہ کے لئے ہاتھی مانگا ہے۔ بیچارے بابو صاحب سہم گئے۔ کیونکہ ان کا ہاتھی اُس زمانہ میں گرم ہو رہا تھا۔ اور ایسے زمانہ میں وہ بالکل سواری نہیں دیتا۔ اگر کوئی سواری کی ہمت کرے تو گویا جان کی خیر نہیں۔ بابو صاحب نے نہایت معذرت کا خط لکھا اور سپاہی جی کو دو روپے نذرانہ اور سو سیر باسمتی دینے کے بعد سمجھا دیا کہ یہ مال داروغہ جی ہی کا ہے۔ لیکن ہاتھی ایسا گرم ہو رہا ہے کہ ہم اپنے دشمن کو بھی نہیں دے سکتے۔ اور وہ تو خود داروغہ جی اپنی سواری کے لئے مانگتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ داروغہ جی کچھ اور سمجھیں۔ للہٰذا آپ خود بھی دیکھ کر انہیں اپنے طور پر سمجھا دیجئے گا۔ جب دو تین مہینے گزر جائیں گے تو پھر ہاتھی کیا ہم لوگ خود خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ بلکہ آپ لوگوں کے بغیر کہے ہاتھی بھیج دینگے۔ اور اتنا چارہ بھی ساتھ کر دیں گے کہ مہینوں کے لئے کافی ہوگا۔ چپراسی کچھ تو دو روپے پاکر اور کچھ واقعی جان کے خوف سے مطمئن ہوگیا۔ اور داروغہ جی کو آکر من و عن جیسا دیکھا تھا کہہ سنایا۔ داروغہ جی بھلا کب سننے والے تھے۔ کہہ اٹھے

" حرامزادہ جگموہن اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو فوراً ہاتھی بھیجدے۔ ورنہ اینٹ سے اینٹ بجا دونگا۔ اور اسکے سارے علاقہ کو باغی کرا دونگا "

اور ایک دوسرا خط لیکر ایک بدمعاش راجپوت سپاہی کو دوڑایا کہ کام ضروری ہے۔ ہاتھی فوراً حاضر کیا جائے۔ سپاہی کو زبانی کہدیا کہ بابو صاحب سے کہدینا کہ داروغہ جی کہتے تھے کہ ہم سرکار بہادر کے ملازم ہیں اور میرے پیشاب میں چراغ جلتا ہے۔ سب کام درست رہیگا۔ کتنے ہاتھی اور گھوڑے ختم ہو چکے ہیں۔ بابو صاحب کے یہاں جب یہ پروانہ پہنچا تو اُن کے حواس جاتے رہے۔ اُن کو ہاتھی کا خیال نہ تھا۔ وہ غریب اس سے گھبرا رہے تھے کہ اگر ہاتھی کے پاگل پنے سے داروغہ جی مر گئے تو گھربار سب برباد جائیگا۔ سنہ ۵۷ء کو زیادہ دن نہ ہوئے تھے اور بابو صاحب کے والد کالے پانی جا چکے تھے۔ خاندان پر حکومت کی دہشت بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر بھی داروغہ جی کے خوف سے خود ہاتھی لیکر حاضر ہوئے۔ داروغہ جی نے حقہ پان سے تواضع کی۔ بابو صاحب دبی زبان سے کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ لیکن داروغہ جی کی لال پیلی آنکھ دیکھ کر سہمے بیٹھے رہے۔ بڑی مشکلوں سے ایک نمک خوار فیلبان ساتھ لائے تھے۔ فیلبان نے ہاتھ جوڑ کر داروغہ جی سے جان کی امان مانگی۔ اور عرض کیا کہ چار چھوٹے چھوٹے بچے گھر پر چھوڑ کر آیا ہے آپ خود ہاتھی کو دیکھ کر جان بخشی کریں۔ داروغہ جی نے جب ہاتھی کی آنکھیں دیکھیں اور اسکا مست جھومنا دیکھا تو ان کے بھی ہوش اڑ گئے لیکن اب ہاتھی کو واپس کرنا پٹھانی ذات پر دھبہ لگانا تھا۔ بول اٹھے کہ نہیں میں ضرور جاؤنگا۔ ایک راجپوت چپراسی کو حکم دیا کہ تم بھی ساتھ چلو۔ اور تحقیقات کی وجہ سے منشی جی کو بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا منشی جی نے ہزار بہانہ کیا کہ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ایک شنوائی نہ ہوئی بلکہ اُن کے ساتھ تمام کایستوں کی بزدلی پر قہقہہ لگانے لگے چار ناچار یہ قافلہ چلا ابھی میدان کی پوری ہوا بھی ہاتھی نے نہ کھائی تھی کہ چال تیز ہوگئی اور گیند کی مانند ہاتھی چلنے لگا۔ تب تو داروغہ جی کو بھی احساس ہوا ناچار داروغہ جی نے فیلبان کو حکم دیا کہ " اچھا جی ہاتھی کو واپس لے چلو غریب فیلبان نے کہا کہ سرکار ہم لوگوں کی جان کی خیر نہیں ہاتھی قابو سے نکلا جاتا ہے

فیلبان نے جب دو چار گرز لگائے تو ہاتھی اور آگ بگولا ہو گیا۔ اور خود فیلبان کو سونڈ سے مارنے لگا۔ منشی جی نے حفظ ماتقدم کے لحاظ سے داروغہ جی کی بغیر اجازت ایک لٹکتی ہوئی شاخ کو تھام لیا۔ سمجھا تھا کہ جب ہاتھی آگے نکل جائیگا تو بلا سے لنگڑے لولے ہو جائینگے جان بچ جائیگی۔ لیکن ہاتھی ایک حساس جانور ہے۔ فوراً تاڑ گیا اور ستم ظریفی سے لالہ جی کے ایک پیر کو اپنی سونڈ میں لیکر لگا ہچکولے دینے۔ داروغہ جی سپاہی اور فیلبان کے ہوش پراں تھے۔ لیکن کیا کرتے۔ تھوڑی دیر تک تو لالہ جی نے زور کیا۔ آخر بیچارے زمین پر آرہے۔ ہاتھی نے انکا ایک پیر دبا کر دوسرے پیر کو کھینچ لیا اور بیچارے چر گئے۔ اس جسم کو لیکر لگا گھمانے اور تھوڑی دیر کے بعد ہوا میں پھینکدیا۔ اب تو خطرہ کا پورا احساس سب کو ہو گیا۔ داروغہ جی اور سپاہی ہودہ میں بیہوش پڑے تھے۔ اور غریب مہاوت بیہوش ہو کر زمین پر آرہا۔ اسکی لاش کے ساتھ بھی بیرحم ہاتھی نے یہی سلوک کیا۔ جب ہاتھی آگے بڑھا تو ایک لاٹھا کھینچنے والے کی طرف لپکا۔ لاٹھا کھینچنے والا آدمی عقلمند تھا فوراً کنوئیں میں اتر گیا۔ اسطرح اسکی جان بچی۔ لیکن ہاتھی نے لاٹھے کو اکھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آگے بڑھا تو ایک کھیت تھا۔ کھیت میں بیٹھ کر خوب جی بھر کر کھاتا رہا۔ داروغہ جی تو بیہوش تھے لیکن سپاہی کو ہوش آگیا تھا۔ غریب سمجھا کہ یہی موقعہ ہے۔ آہستہ سے اتر کر ایک طرف کی راہ لی۔ .... لیکن ہاتھی کو پتہ معلوم ہو گیا کہ کوئی اترا ہے۔ فوراً غریب سپاہی پر آپڑا اور اس کے جسم کو اپنے وزنی پیر سے دبا کر چپٹا کر دیا۔

جب ...... کھا چکا تو پانی پینے کے لیے ندی کے کنارے گیا پیاس کی شدت میں تیزی سے پانی کی طرف اترا۔ خوش قسمتی سے داروغہ جی دریا کے ساحل پر آ رہے تھے۔ جب ہاتھی پانی پی کر چلا تو اس نے محسوس کیا کہ ایک شکار پیٹھ پر نہیں ہے۔ لیکن اس نے تلاش کرنے میں غلطی کی اور پھر کناری کے کھیت کی طرف واپس چلا گیا۔ وہاں پولیس کی کافی تعداد موجود تھی۔ کیونکہ چار پانچ گاؤں کی اس غارتگری سے سارے علاقہ میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ اور صاحب کلکٹر کے پاس تار بھیج کر رائفل چلانے والے بلائے گئے تھے۔ ایک باڑہ سے ہاتھی کی تواضع کی گئی۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جب داروغہ جی کو تلاش کیا جانے لگا تو وہ کسیطرح ملتے ہی نہ تھے آخر خدا خدا کر کے ندی کے کنارے ملے۔ ان کو جب اٹھایا گیا تو بالکل مردہ معلوم ہوتے تھے۔ ہوش حواس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہسپتال میں رکھے گئے۔ دو تین دن کے بعد کچھ ہوش آیا۔ لیکن فوراً "ہاتھی ہاتھی" کہہ کر بیہوش ہو جاتے۔ غریب کے حواس کبھی بھی درست نہ ہوئے۔

نوکری الگ گئی اور گھر الگ تباہ ہوا۔ مدت تک وہ پاگل خانہ میں رکھے گئے۔ ان کی بس ایک ہی رٹ تھی۔ ہاتھی ہاتھی ہاتھی۔ بچاؤ۔ جان گئی۔ ہزار علاج ہوا۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جب داروغہ جی بوڑھے ہو گئے تو ان کے آدمی انہیں گھر لے گئے۔ ایک کوٹھری میں بیٹھے ہوئے داروغہ جی ہمیشہ بس یہی رٹ لگاتے تھے۔

محمود شبیر لودیکڑہ پٹنہ سٹی

خدائی انتقام

(۱)

کسی کے دن سدا ایک سے نہیں رہتے ۔ بھلے کے بعد بُرے ، اور بُرے کے بعد اچھے دن آتے ہی رہتے ہیں ۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ بارہ برس بعد مٹی کے دن بھی بھلے آجاتے ہیں ۔

امین کے دن بھی اسی طرح پھرے ۔ جو کسی دن مٹھی بھر چنوں کے لیئے بھی ترستا رہتا تھا وہ اس وقت اپنے گاؤں کا پٹواری ہے ۔ گاؤں بھر میں اس کا رعب چھایا ہوا ہے ۔ غرور خوشحالی کا دوست اور ساتھی ہے امین کے دن پھرتے ہی غرور اور گھمنڈ کا سودا اس کے سر میں سما گیا ۔ وہ بات بات میں لوگوں کو ڈرا دھمکا کر رشوت وصول کرتا ۔ اور مونچھوں پر تاؤ دیتا پھرتا تھا ۔ گاؤں بھر کے لوگ اس سے ناراض تھے ۔ اور پیٹھ پیچھے بُرا کہتے تھے ۔ مگر مُنھ پر زبان ہلانے کی کسی کو تاب نہ تھی ۔

امین جب لڑکا تھا ، اور اس کے ماں باپ سوکھی روٹی کو محتاج تھے اُسوقت گاؤں کے ایک بابو خدابخش برابر ان لوگوں کی روپے پیسے سے امداد کرتے رہتے تھے ۔ امین ان کو چچا کہہ کر پکارتا تھا ۔ مگر اب پٹواری ہوتے ہی اسکی آنکھیں پھر گئیں ۔ اور وہ چچا کا بھی چچا بن گیا ۔ اسکے گھمنڈ ۔ اکڑ اور اینٹھ کے بارے میں ہمارے بابو صاحب بھی اُس سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچاتے تھے ۔ ایک دن جرأت کرکے وہ اسکے گھر گئے ۔ امین اُن سے نہایت تپاک سے ملا ۔ اور اپنی بیٹھک میں بڑی عزت سے بٹھلا کر پان اور حقے سے تواضع کی ۔ اِدھر اُدھر کی بات چیت کے بعد بابو جی نے امین سے کہا ۔ بیٹا تم کو کیا تنخواہ ملتی ہے ؟

امین ۔ بیس روپے ۔

بابو ۔ لیکن تمہارا خرچ تو شاہانہ ہے ۔ اِتنا روپیہ کہاں سے لاتے ہو

امین ۔ آپ کی دعا سے سب مل ہی جاتا ہے ۔ اوپر سے کافی آمدنی ہوجاتی ہے ۔

بابو ۔ اوپر کی آمدنی ہے ! یہ آمدنی تو لوگوں کا پیٹ کاٹ کر اور گردن مروڑ کر ہی ہوتی ہے ۔ بیٹا ، لوگ تمھارے بہت شاکی ہیں ۔ زمیندار کے پاس بھی تمھاری شکایت پہنچی ہے ۔ لوگ تمھیں بڑا راشی اور ظالم کہتے ہیں ۔ بیٹا ! روپے کے لیئے بددعائیں لینا اچھا نہیں ۔ دنیا میں روپیہ ہی سب کچھ نہیں ہے ۔ تمھیں اس کا خیال کرنا چاہیئے “۔ یہ میٹھی پھٹکار سنتے ہی امین تو آگ بگولا ہوگیا ۔ گاؤں کا کوئی آدمی اُسے اتنی باتیں سُنا جائے اور وہ چپکا بیٹھا ہوا سُن لے ۔ اتنا صبر اُس میں کہاں تھا ۔ بگڑ کر بولا :۔

” سچ ہے کہ اکر بلی حج کو چلی ۔ اپنی رعایا کے ساتھ جیسا سلوک تم کرتے ہو وہ کیا مجھے معلوم نہیں ۔ جاؤ ۔ جاؤ یہ باتیں کسی مجلس یا لکچر میں کہنا “

خدابخش کو کاٹو تو لہو نہیں ۔ ان کا خیال تھا کہ امین میرے قدیم احسانات کو یاد کرکے میرا لحاظ کریگا ۔ لیکن خلاف اُمید یہ تلخ باتیں سُنکر چُپ ہوگئے ۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور جاتے ہوئے بولے :۔

” اچھا بھائی مجھ سے خطا ہوئی معاف کرو “

(۲)

اُسدن سے امین بابو خدابخش کا دشمن ہوگیا ۔ اُس نے سوچ لیا کہ اس بڈھے سے ایک نہ ایک دن سمجھونگا ۔ لیکن دو سال تک اُسے بابو صاحب سے انتقام لینے کا موقعہ نہ مِل سکا ۔ گاؤں کے کچھ لوگ خوشامد کے مارے امین کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے ۔ لیکن بہتیرے لوگ بابو صاحب جیسے نیک اور شریف آدمی کے طرفدار تھے ۔ کچھ آدمی ان دونوں کی جنگ کا تماشہ دیکھنے کے لیئے چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے ۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں پنجاب میں بڑے زور کا پلیگ پھیلا ۔ سینکڑوں بچے یتیم ہوگئے ۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہوگئیں ۔ کتنے گھر ویران ہوگئے ۔ آدم پور میں ابھی تک پلیگ نہیں پہونچا تھا ۔ گاؤں کے لوگ مطمئن تھے ۔ باہر سے کوئی آدمی آنے نہیں پاتا تھا ۔ لوگ ڈرتے تھے کہ کوئی پلیگ کا مریض یہاں نہ آجائے ۔ اور پلیگ کے قدم نہ جم جائیں ۔ امین اس گاؤں کا پٹواری تھا ۔ اور بابو خدابخش مشہور زمیندار تھے ۔ لیکن آخر میں یہ روک تمام قائم نہ رہ سکی ۔ یہاں کے نمبردار نے کچھ اپنے عزیز و اقارب کو

جالندھر سے جوکہ پلیگ میں مبتلا تھے ۔ بُلا لیئے ۔ اسکا نتیجہ بہت بُرا ہوا۔ آدم پور میں بھی پلیگ پھیل گیا ۔ اور سب سے پہلے بابو خدا بخش اس میں مبتلا ہوئے ۔ اور انتقال کر گئے ۔

(۵)

بابو خدا بخش کے بیوی بچہ کوئی نہ تھا ۔ ان کی ساری دولت اور جائداد کا مالک ان کا بھتیجا شریف تہا ۔ امین نے سوچا کہ خدا بخش مر گیا ہے۔ اب اس کا بدلہ اسکے بھتیجے سے لینا چاہیئے ۔ اُس نے محمود نام ایک لڑکے کو جو ان کے یہاں رہتا تھا ۔ سکھا پڑھا کر اور دو چار بے ایمان گواہ طیار کرکے اسکو بابو خدا بخش کا لڑکا بنایا ۔ اور اسکی طرف سے بابو خدا بخش کی جائداد پر دعویٰ دائر کر دیا ۔ شریف کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بیچارہ پریشان ہو کر امین کے پاس آیا اور کہنے لگا ۔ دیکھئے پٹواری جی یہ محمود مجھے مفت میں حیران کرنا چاہتا ہے آپ میری مدد کیجئے ۔"

امین نے اُداس ہو کر جواب دیا ۔" میں کیا کروں ۔ تم بھی درخواست دیدو ۔ یا اس کے دعویٰ کا جواب دینے کی طیاری کرو ۔ سننے میں آیا ہے کہ محمود نے بہت گواہ اور ثبوت اکٹھے کیے ہیں"۔

شریف :۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ اس کا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے

امین :۔ بتاؤ میرے کئے کیا ہو سکتا ہے ۔ جب اسکی ماں بارہ برس سے آپ کے یہاں رہتی ہے ۔ اور یہیں وہ پیدا بھی ہوا ہے ۔ اور بابو صاحب بھی اُس سے بہت محبت کرتے تھے ۔ اُن کے تمام کاموں کا بھی مختار وہی تھا ۔ دوسرے قاضی گواہی دیتا ہے کہ میں نے نکاح پڑھایا ہے ۔ وکیل کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے ۔ پھر تم کیسے انکار کر سکتے ہو کہ وہ ان کا بیٹا نہیں ہے ۔ اور جناب اب تو اسکا انصاف تحصیلدار کے ہاتھ میں ہے ۔

پندرہ بیس روز بعد تحصیلدار بھی آدھمکے ۔ امین نے گاؤں والوں کو ڈرا دھمکا کر محمود کی طرف سے بہتوں کی گواہی دلوادی ۔ اسکی ماں نے آکر اظہار دیا کہ میں خدا بخش کی زوجہ ہوں ۔ اور محمود اسکا لڑکا ہے ۔ قاضی اور گواہوں نے اس کی تائید کی ۔ پٹواری نے پہلے ہی سے تحصیلدار کے کان بھر رکھے تھے ۔ ان گواہیوں اور ثبوتوں کی بنا پر انہوں نے فیصلہ میں لکھ مارا کہ خدا بخش کی تمام جائداد کا مالک محمود ہے ۔

بیچارہ شریف سب کچھ کھو بیٹھا ۔ یہاں تک کہ بھیک مانگنے کی نوبت آگئی ۔
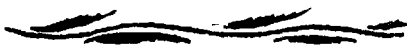
محمد جمیل دیوبندی ۔ طالبعلم ثانوی اول

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

دکن میں اُردو

قدیم اُردو کو چار دوروں میں تقسیم کرکے اس کے نظم و نثر کی عبوری تاریخ پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے ۔ ہر دور کے شعرا کے جستہ جستہ حالات کے ساتھ ان کے کلام کا نمونہ پیش کرکے اُردو زبان کا ارتقا دکھلایا گیا ہے ۔ جس کو جناب احمد عارف صاحب نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے ۔ یہ علمی گلدستہ اس قابل ہے کہ ہر تعلیم یافتہ اس سے اپنے کتب خانہ کو زینت دے ۔ کاغذ لکھائی، چھپائی عمدہ ۔ حجم (۱۰۱۴) صفحے پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت دو روپیہ آٹھ آنے (دو روپیہ آٹھ آنے) (دیکھا)

معمہ

داہنے سے بائیں جانب

(۱) عیسائیوں کا بزرگ
(۴) اَن پڑھ
(۸) شک وگمان
(۱۰) انکار
(۱۱) عورت
(۱۲) ایک پیغمبر
(۱۳) کو
(۱۶) نام صحابی
(۱۷) قسم پیغمبر
(۲۱) اُو یا آن
(۲۳) بردباری
(۲۴) ساتھ
(۲۵) حصۂ جسم
(۲۷) ایک حرف کا نام
(۲۸) ہندو کا مشہور جنگجو
(۲۹) ابر

۷	۶	۵	۴	■		۳	۲	۱
		۱۰	■	۹	■			۸
	۱۳	■			۱۲	■		۱۱
	■	۱۵	■		■	۱۴	■	
■			۱۷	■			۱۶	■
۲۰	■		■	۱۹	■		■	۱۸
	۲۴	■			۲۳	■	۲۲	۲۱
		۲۷	■		■	۲۶		۲۵
			۲۹	■				۲۸

اوپر سے نیچے کی طرف

(۱) عبادت کی قسم
(۲) ایک دھات
(۳) ایک اسم ضمیر
(۵) ایک مشہور پھل
(۶) ایک فن
(۷) تھوک
(۹) خدا کا نام
(۱۴) رنج وغم
(۱۵) اطلاع
(۱۸) خدمتگار
(۱۹) مقبول خدا
(۲۰) عمل کرنے والا
(۲۲) ایک مشہور پرند
(۲۴) ہوا
(۲۶) صف
(۲۷) حکم صیغۂ امر یا نہیں

ہدایات

(۴) اس معمہ کا حل ۷ فروری ۱۹۲۹ء تک ایڈیٹر "پیام تعلیم" کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔
(۲) ایک سے زائد حل کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔
(۳) ہر حل کے ساتھ دو پیسہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
(۱) اول انعام میں ایک مفید اور قیمتی کتاب دی جائے گی۔

اردو کی منتخب کتابیں

سیر المصنفین

از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا وکیل غازی آباد
ادب اردو میں یہ بالکل پہلی اور قابل قدر کتاب ہے
ابتدا سے اردو نثاروں اور مصنفین کا ایک دلچسپ تذکرہ ہے جو بڑی محنت و کاوش اور خوش ترتیبی اور سلیقہ سے لکھا گیا ہے ۔ حالات کے ساتھ ہی اردو زبان کے مختلف زبانوں اور دوروں کی تبدیلیوں اور ترقیوں کا بھی دلچسپ انداز میں ذکر ہے ۔ مصنفوں کی تحریروں کے نمونے کتاب کی دلچسپی بڑھا دیتے ہیں ۔ یہ کتاب داخل نصاب ہونے کے قابل ہے جس طرح آب حیات اردو شاعری کی تاریخ ہے ۔ یہ اردو نثاری کی سرگذشت ہے
قیمت حصہ اول عا ۔ حصہ دوم ہے

ہماری شاعری

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے
پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا وہ مشہور مضمون جو عام طور پر بہت مقبول و مشہور رہا ۔ اب مع چند اضافوں کے کتابی صورت میں چھپا ہے ۔ پوری کتاب بڑے اہتمام و دیدہ زیبی کے ساتھ دو رنگوں میں چھاپی گئی ہے ۔ اردو شاعری پر یہ ایک مبسوط و مکمل تصنیف ہے اور قابل دید
۲۰۰ صفحات ۔ کپڑے کی خوشنما جلد قیمت عا

ایشیائی شاعری

مولوی سید امجد علی صاحب اشہری کی یہ وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو مسلم اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرنس کے سلسلہ شعبہ علمی کی ایک قابل قدر کڑی ہے ۔ اردو شاعری پر یہ ایک اچھی کتاب ہے ۔ جس میں بڑی نفیس زبان استعمال کی گئی ہے اور بڑی ضروری اور کارآمد باتوں کا ذکر ہے ۔ شاعری پر بہت خوب چیز ہے ۔ ۲۶×۲۰
صفحات ۱۳۶ ۔ اور قیمت صرف عہ

محشر خیال

سجاد علی انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند بے حد دلکش ادبی و اصلاحی مضامین کا مجموعہ ناد جو صرف ڈھائی سو چھپا تھا ۔ اب چند کاپیاں باقی ہیں ۔ چونکہ اسے مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار کے طور پر شائع کرنا تھا اس لئے بڑے اہتمام اور نفاست سے چھپا ہے اور جلد پر سنہرے حروف میں نام تحریر ہے ۔ سجاد مرحوم خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ۔ ان کے مضامین میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیفیت و بلند خیالی اور جذبات نگاری ہوتی ہے ۔ آخر میں تھوڑا سا مجموعہ غزلوں اور نظموں کا ہے ۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے (عہ)

تمنائے دید

اخلاق ، تمدن اور معاشرت پر بے حد دلکش انداز اور دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں ۔ بعض ضروری مسائل زندگی ۔ از جناب سجاد مرزا بیگ مرحوم ۔ ۱۵۰ صفحات قیمت صرف عہ

رنج و راحت

جناب آفتاب عمر صاحب برادر مسٹر ظفر عمر نے یہ ناول پوری کامیابی کے ساتھ لکھی ہے ۔ ظفر عمر صاحب کی کتابیں جس درجہ مقبول ہوئیں سب جانتے ہیں لیکن اگر آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو کسی طرح کم نہ پائیں گے ۔ اس میں غدر کی تباہی عام انتشار ۔ مضطرب زندگی کا ہو بہو نقشہ ہے ۔ ایک درد انگیز کہانی ہے ۔ ایک ہندوستانی بی بی اور ان کی بچی کے شریفانہ کارنامے ہیں ۔ غرض یہ کتاب ناول بھی ہے اور عبرت کا بصیرت خیز مرقع بھی ۔ قیمت صرف عہ

جور فلک

مشہور و معروف انگریزی ناول ایسٹ لین کا دلکش سلیس اردو ترجمہ از پروفیسر انعام اللہ خاں علیگڑھ ۔ تین حصوں میں مجموعی تعداد صفحات ۱۲۶۶ نفیس طباعت اور قیمت صرف عہ

منیجر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ باہتمام ڈاکٹر سید عابد حسین پرنٹر و پبلشر بحسن انتظام مسٹر محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن) جامعہ پریس دہلی میں چھپکر دفتر پیامِ تعلیم قرولباغ دہلی سے شائع ہوا

ٹیلیفون نمبر ۲۵۲۹

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیامِ تعلیم

نرخنامہ چندہ
سالانہ عہ
ششماہی عہ؍
فی پرچہ ۱؍

نرخنامہ اشتہار
فی صفحہ عہ؍
نصف صفحہ صہ؍
چوتھائی صفحہ ۳؍

ایڈیٹر:- سعید انصاری بی-اے (جامعہ)

جلد ۶	۷؍ فروری سنہ ۱۹۲۹ء	نمبر ۷

فہرست مضامین

۱- دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟	نامہ نگار	۲
۲- بچوں کی تربیت اور تعلیم	حسین حسّان صاحب ندوی	۳
۴- بغاوت افغانستان کا اصلی سبب	ایڈیٹر	۴
۵- رفتار تعلیم و کوائف جامعہ	کوائف نگار	۵
۶- مخلوق کے ساتھ نرمی و انصاف	مولوی سعد انصاری صاحب ندوی	۶
۷- پل کیسے بنتے ہیں؟	....	۷
۸- اشوک اعظم	سعید انصاری	۸
۹- افریقہ کے اندرونی حالات	....	۹
۱۰- وطن کی یاد (نظم)	مولانا حالی	۱۰
۱۱- مرغی جو اجمیر شریف جانا چاہتی تھی (قصہ)	رقیہ ریحانہ	۱۱و۱۲
۱۲- ایک شہزادے کی تعلیم و تربیت (تاریخی قصہ)	....	۱۳
۱۳- انعامی معمہ	سید ظہیر الدین احمد صاحب (فنگدرہ)	۱۴
۱۴- فہرست معطیان انجمن "جامعہ فنڈ" (مدراس)	نامہ نگار خصوصی	۱۵

دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

ہندوستان

مہاتما گاندھی جی عنقریب بدیشی کپڑوں کے بائیکاٹ کی ایک اسکیم پیش کرنے والے ہیں۔ آپ کا ارادہ ہے کہ گھر گھر پھر کر لوگوں کو بدیشی کپڑوں کے چھوڑنے اور کھدر کے اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور لوگوں سے کھدر کے آرڈر بھی لئے جائیں، نیز بدیشی کپڑا بیچنے والے تاجروں پر بھی زور ڈالا جائے کہ وہ کھدر بیچیں اور ضرورت ہو تو ان کی دکانوں پر پہرے بٹھائے جائیں۔

دہلی کے بڑے بڑے ہندو مسلمان لیڈروں نے ایک بیان شائع کیا ہے جس میں ان لوگوں نے حکومت ہند کو آگاہ کیا ہے کہ وہ افغانستان کے معاملات میں ہرگز کوئی دخل نہ دے اور اگر اس نے اس خانہ جنگی میں کسی فریق کا ساتھ دیا تو ہندوستان گورنمنٹ کو روپیہ اور آدمی کسی طرح سے کوئی مدد نہ دیگا۔

اردو کے مشہور اخبار "مدینہ" کے لائق اڈیٹر مولوی نور الرحمٰن صاحب بی اے ملیگ کو حکومت نے اس جرم میں گرفتار کر لیا تھا کہ انھوں نے اخبار کے کسی نوٹ میں غالباً یہ لکھ دیا تھا کہ افغانستان کی موجودہ پیچیدگیوں میں گورنمنٹ کا بھی ہاتھ ہے۔ موصوف ضمانت پر رہا ہو کر پھر اپنے کام پر واپس آگئے ہیں، ہم ممدوح کی خدمت میں اپنی پرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

---

۲۵ جنوری کا دن لاہور میں یوم امان اللہ کے طور پر منایا گیا۔ اس دن تمام لوگوں نے غازی امان اللہ خاں کی دوبارہ تخت نشینی سے اپنی تائید و حمایت کا اظہار کیا اور نہ صرف یہی بلکہ بہت سے لوگوں نے عملاً بھی طبی امداد کے لئے یا رضا کاروں کی حیثیت سے قندہار جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ دہلی اور ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی ایسے ہی جلسے منعقد کئے گئے ہیں جس میں غازی امان اللہ خاں کے ساتھ ہمدردی و حمایت کا اظہار کیا گیا ہے۔

ممالک غیر

آج کل کابل کے تخت پر بچہ سقہ نامی ایک معمولی درجہ کا آدمی حکمران ہے۔ شاہ امان اللہ خاں کے دست بردار ہونے کے بعد ان کے بھائی عنایت اللہ خاں تخت نشین ہوئے لیکن ان کو تخت پر بیٹھے ہوئے چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ باغی لیڈر انھیں ہٹا کر کابل کے تخت پر قابض ہو گیا۔

اس وقت افغانستان میں تین قوتیں ہیں۔ کابل کے تخت پر بچہ سقہ حبیب اللہ خاں غازی کے نام سے بیٹھا ہے۔ جلال آباد وغیرہ کے علاقہ میں شنواری قبیلہ کا اثر ہے اور قندھار وغیرہ کے لوگ غازی امان اللہ خاں کے علم کے نیچے آرہے ہیں خیال ہے کہ امان اللہ خاں قندھاریوں کی مدد سے کابل کے تخت پر پھر قبضہ کریں گے اور غالباً شنواری بھی آپ کا ساتھ دیں۔

ہندوستان میں افغانستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے جتنے اشخاص نظر بند یا آزاد حالت میں موجود تھے ان کو بہ خیال احتیاط حکومت ہند نے قید کر لیا ہے۔ چنانچہ الہ آباد اور میرٹھ سے اکثر شہزادے قید کر کے رنگون وغیرہ کی طرف بھیج دیئے گئے ہیں۔

انھی افغان شہزادوں میں سے ایک شخص سردار محمد عمر خاں جو الہ آباد میں نظر بند تھے ۱۹ر دسمبر سے لاپتہ ہیں۔ ۲۹ر دسمبر کو گورنمنٹ کو اس کا علم ہوا اور ان کی گرفتاری کے لئے انعام رکھا گیا لیکن اب تک ان کے متعلق کوئی علم نہ ہو سکا۔ خیال ہے کہ وہ سرحد پار چلے گئے ہیں اور غالباً کابل کے تخت کیلئے خود بھی قسمت آزمائی کریں۔

ہنگری کے پایہ تخت بخارسٹ سے ایک اکسپرس ٹرین جا رہی تھی جو راستہ میں ایک سنیجر ٹرین سے ٹکرا گئی۔ اس تصادم میں ۲۴ آدمی جان سے ہلاک ہوئے اور ۴۰ زخمی۔ ڈاک کا ڈبہ اور کئی ایک معمولی ڈبے جل کر خاک سیاہ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اکسپرس کا ڈرائیور نشے کی حالت میں تھا۔

بچوں کی تربیت اور تعلیم

بچہ شروع میں جب ٹوٹی پھوٹی زبان میں بولنا شروع کرتا ہے تو قدرتاً اس کے ذہن میں بے شمار سوالات پیدا ہوتے ہیں اسے خواہش ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ دیکھتا ہے اسے ہاتھوں سے چھوئے اسی طرح جو چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی ہے چاہتا ہے کہ توڑ پھوڑ کر اس کی قلب ماہیت کر دے۔ نیز ہر چیز کو دیکھ کر ذہن پر یا کاغذ پر اس کی تصویر اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ بچے زیادہ سوال اس لئے کرتے ہیں کہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ ان کے والدین یا ہر بڑا شخص تمام چیزوں سے واقف ہوتا ہے لیکن اکثر والدین کی عادت ہوتی ہے کہ بچے جب ان سے زیادہ سوالات کرنے لگتے ہیں تو پریشان ہو کر اور لایعنی گفتگو سمجھ کر انھیں جھڑک دیتے ہیں لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ ہر بات کی کوئی وجہ ہوتی ہے بچوں کے ان سوالات کی وجہ ان کے عقلی قوار کی بیداری اور نشوونما ہوتی ہے والدین اگر ان کی بات کا تشفی بخش جواب نہ دیں تو وہ خاموش نہیں رہتے بلکہ دوسروں سے پوچھتے ہیں اس پر بھی اگر ان کی تسکین ہو تو ان پر نا امیدی اور مایوسی چھا جاتی ہے۔

والدین کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ زندگی کے دوسرے دھندوں میں منہمک رہتے ہیں اور بچوں کی تربیت کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ ان کے مستقبل کی انھیں کوئی فکر نہیں ہوتی اور ان کی تعلیم و تربیت سے وہ قصداً بے اعتنائی ظاہر کرتے ہیں یا انھیں ماماؤں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جو بچوں کے جذبات اور تربیت کے اصول سے بالکل بیگانہ ہوتی ہیں ان کو یہ بھی خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب والدین ہی اپنے بچوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو ہمیں کیا ضرورت ہے۔ ظاہر میں تو وہ توجہ کی بہت نمایش کرتی ہیں لیکن پس پردہ اپنا کام نکالتی ہیں۔

بچوں کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ جب انکے بھائی یا بہن پیدا ہوتی ہے تو وہ اکثر سوال کر بیٹھتے ہیں کہ یہ بچہ کہاں سے آیا۔ والدین اس سوال کو سنکر حیران رہجاتے ہیں کہ کیا جواب دیں۔ خصوصاً جب وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ بچہ کو گمراہی میں رکھیں ایس موقع پر دوسرے لوگ جواب دیتے ہیں کہ اللہ میاں نے بھیج دیا ہے بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کہیں سے چرا لائے ہیں یا دائی ساتھ لے آئی ہے۔ اس قسم کے جوابات سے بچہ اگرچہ خاموش ہو جاتا ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور حقیقت اسی طرح مستور رہتی ہے۔ جو لوگ اس قسم کے جوابات دیتے ہیں غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ جہالت بھی ایک فضیلت ہے اور عفت و طہارت کی بنیاد ہی علم کی کمی ہے وہ کہتے ہیں کہ بچہ کی ولادت کے واقعات اس درجہ متانت و تہذیب سے گرے کہ بچوں کے سامنے ان کی حقیقت کا اظہار کسی طرح مناسب نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہالت کی تاریکی سے بڑھکر کوئی تاریکی نہیں اکثر لوگوں کو اس تاریکی میں گر کر پھر ابھرنا نصیب نہیں ہوا ہے ان میں بہت کم ایسے ہیں کہ سن بلوغ تک پہونچنے پر ان کے قوا سلامت رہے ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ والدین کو اپنے بچوں کو انکی پیدائش کے راز سے آگاہ کرنا چاہئے یا نہیں خصوصاً جب کہ ان کی عمر اس قدر کم ہو اور آیا ان کی ان اعلیٰ اصولوں پر تربیت کرنی چاہیے تو یہ ایک سوال ہے جسکا جواب ہمارے لئے بہت مشکل ہے اس لیے کہ ہمیں نہیں معلوم اس کے نتائج کیا ہوں گے ؟

ایک مشہور انگریزی خاتون نے اس کے متعلق حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں "جب کوئی چھوٹا بچہ اپنی ماں سے حیران ہو کر دریافت کرے کہ مجھے کس نے بنایا (پیدا کیا) اور میں کہاں سے آیا تو غالباً اس کا جواب خاموشی سے دیا جائیگا اور اگر صحیح جواب دیا جائے گا تو یہ کہ دیا جائے گا کہ تمھیں خدا نے بنایا ہے۔ لیکن یہ سوال اسی طرح صحیح ہوگا جس طرح ایک بچہ کو کھانے میں بے اعتدالی کی وجہ سے بدہضمی ہو جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ خدا نے تجھے اس بدہضمی میں مبتلا کیا ہے۔ کیا ماں اور اس بچہ کے لئے یہ اچھا نہیں ہے کہ ماں اس سے صاف صاف کہدے کہ۔ بیٹے! تم اپنے ماں اور باپ سے پیدا ہوئے ہو اور ہم دونوں کے جسم سے بنے ہو اس لئے تم ہمارے ہی دل کے ٹکڑے ہو۔ میں نے تمھیں مہینوں اپنے دل کے نیچے اٹھائے رکھا ہے جہاں رفتہ رفتہ تمھاری یہ شکل و صورت بنی ہے اور آخر شدید درد اور کرب کے بعد تم پیدا ہوئے ہو۔

اب خیال کیجئے یہ بات بچہ کے دل کو لگے گی۔ برخلاف اس کے اگر آپ جھوٹی سچی باتیں کہکر اسے ٹال دیں تو اس کی تسکین نہ ہوگی وہ حقیقت کی تلاش کرے گا اور جب وہ اس کا انکشاف کرے گا تو وہ اسے سربستہ راز کی طرح اپنے دل میں رکھے گا۔ اور کسی سے ظاہر نہیں کرے گا کہ کہیں اس کی خبر دوسرے کو نہ ہو جائے" . . . .

یہ ایک انگریزی خاتون کی رائے ہے لیکن ہم نے جہاں تک عمرانی اور تمدنی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے ہم اندازہ نہیں لگا سکے کہ آیا حمل اور ولادت کا راز پوشیدہ رکھنا بہتر ہے یا ظاہر کر دینا۔ تاآنکہ وہ پختہ عمر کو پہونچ جائیں

ہمارا خیال ہے کہ ایک معین حد تک اس کو پوشیدہ ہی رکھنا بہتر ہے اس لئے کہ بچوں کو ہر بات بتلا دینا ضروری نہیں ہے اور نہ وہ ہر بات کو معلوم کرنے پر اصرار کرتے ہیں جس چیز کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں یہ کیا ضروری ہے کہ بچوں کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیں۔ اگر ہم بچے سے یہ کہیں کہ تمہارے بھائی کو خدا نے بھیجا ہے۔ یہ بھی کوئی غلط بات نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر ان سے کہا جائے کہ یہ بدہضمی اس وجہ سے ہوئی ہے کہ تم نے کھانے میں بے اعتدالی کی ہے تو ان چھوٹے بچوں کے لئے اس کا سمجھنا آسان نہ ہوگا۔

بہرحال ہمارے خیال میں جہاں والدین کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مفید بات سے اپنے بچوں کو آگاہ کریں ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان باتوں کو ان سے پوشیدہ رکھیں جن سے مضر اثرات کا اندیشہ ہو۔

بغاوت افغانستان کا اصلی سبب

(از اڈیٹر)

گزشتہ چند مہینوں سے افغانستان کے اندر ایک عام بے چینی اور فتنہ پھیلا ہوا ہے امیر امان اللہ خاں غازی جو دس سال سے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ حکومت کر رہے تھے، یکبارگی تخت سے دست بردار ہو گئے۔ آپکے بعد آپ کے بڑے بھائی عنایت اللہ خاں تخت حکومت پر بیٹھے لیکن وہ بھی دو چار روز سے زیادہ نہ جمے جتنے افغانی شہزادے یا شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں ان میں سے تقریباً ہر ایک کے منہ میں پانی بھر رہا ہوگا کہ کوئی موقع ہاتھ آئے اور وہ خود تخت پر قبضہ کر بیٹھیں۔ شاہی خاندان کے لوگوں میں اگر یہ خواہش اور آرزو پیدا ہو تو چنداں موجب حیرت نہیں لیکن غیر شاہی خاندان کے لوگ جب اسے مال یتیم سمجھکر ہضم کرنے کی کوشش کریں تو یہ سب سے زیادہ تعجب کی بات ہے۔ بچہ سقہ ایک معمولی بہشتی کی اولاد جو پہلے پشاور میں چائے کی دکان کیا کرتا تھا اور اسکے بعد وہ فوج میں سپاہی ہو گیا اور پھر یہ بھی چھوڑکر جسنے تھوڑے دنوں سے لوٹ مار کا پیشہ اختیار کر لیا ہے، وہ جب کابل کے تخت پر قابض ہو جائے اور افغانستان کا مطلق العنان بادشاہ بن بیٹھے، تو پھر حیرت و استعجاب کی انتہا ہی نہیں۔

امیر امان اللہ خاں غازی اور انکے شاہی خاندان کے ساتھ لوگونکی یہ بیوفائی اور غیر ہمدردانہ روش صرف اسوجہ سے ہے کہ افغانستان میں دراصل چند کج فہم اور نادان ملاؤں اور پیروں کی حکومت ہے امیر امان اللہ خاں کا تمام قصور صرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے سفر یورپ کے بعد اپنے ملک میں چند اصلاحات رائج کرنی چاہی تھیں جنھیں یہ ملا خلاف مذہب سمجھتے تھے۔ مثلاً امیر افغانستان یہ چاہتے تھے کہ تعلیم ہر ایک کے لئے لازمی کر دیجائے، عورتوں کے لئے پردہ میں رہنا کوئی ضروری نہو، فوج میں جو ملازم بھرتی ہوں وہ کسی پیر یا شیخ کے مریدوں وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں ایسی تھیں کہ اپر تھوڑا بہت اختلاف ہونا ممکن ہو سکتا تھا، لیکن نہ اسقدر کہ ایک مدت کی قایم شدہ حکومت کے تخت کو الٹ دیں، اپنے ایسے محسن اور بہی خواہ بادشاہ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیں اور ایک بہشتی زادے کو تخت پر لا بٹھائیں۔

لیکن ان شورشوں اور بغاوتوں کا اصل سبب ہمکو فوجی نظام کی خرابی، افغانی قوم کی شورش پسندی، تخت افغانستان پر بعض لوگوں کا نظریں لگائے رکھنا یا کسی خارجی طاقت کا درپردہ ہاتھ ہونا نہیں بلکہ اسکا اصل سبب اور واحد سبب یہ ہے کہ ملک میں تعلیم کی کمی ہے اور جہالت کا ہر چہار طرف دور دورہ ہے۔ مانا کہ فوجی قوت کتنی ہی کمزور ہوتی اور کتنے ہی لوگوں کی نظریں افغانستان کے تخت کی طرف لگی ہوتیں، اور یہ بھی مانا کہ خارجی قوت کا درپردہ اثر و نفوذ بھی ہوتا لیکن یہ سب کچھ بے اثر اور بے سود تھا اگر افغانستان کے لوگوں میں آج تعلیم کا عام چرچا ہوتا اور وہ اپنے بھلے برے، اور بہی خواہ و بدخواہ کی صحیح تمیز کر سکتے۔ یہ جہالت نہیں تو کیا ہے کہ امیر امان اللہ خاں کو چھوڑکر جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ افغانستان کے ملک و قوم کی خدمت و حفاظت میں صرف کیا ہو وہ ایک بہشتی زادے کے پیچھے لگ جائیں جس نے ساری زندگی لوگوں کی لوٹ مار میں گزاری ہو۔ اگر امیر صاحب موصوف سب سے پہلے تعلیم ہی کے کام کو ہاتھ میں لیتے اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کو بڑھاتے تو دوسری اصلاحات کا رائج کرنا ان کے لئے بہت آسان ہوتا اور ملا نہ یوں یکبارگی بھڑکتے اور نہ ان کے بھڑکانے میں عام لوگ اس طرح آجاتے!

بہرحال امید کی ایک جھلک نظر آرہی ہے۔ امیر صاحب موصوف نے تخت چھوڑنے سے پہلے ہی تمام اصلاحات واپس لے لی تھیں اور اب وہ پھر دوبارہ تخت پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ خدا کی نصرت و حمایت کیساتھ ہماری آرزوئیں اور دعائیں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہیں، اور اسوقت جبکہ وہ تخت افغانستان پر دوبارہ پورے طور سے تسلط حاصل کریں گے ہمیں امید ہے کہ وہ سب سے پہلے شمع علم کو روشن کرینگے اور آہستہ آہستہ اسکے نور و ضیا سے اپنے ملک میں روشنی پھیلائینگے جسکے آگے تمام تاریکی و سیاہی کافور ہو جائے گی۔

جغرافیہ

افریقہ کے حالات کیونکر دریافت ہوئے

افریقہ کو "ملک ظلمات" یا Dark Continent کیوں کہتے ہیں؟ کیا اس وجہ سے کہ وہاں سورج کی روشنی نہیں پہونچتی؟ نہیں، افریقہ سے زیادہ شاید ہی کسی دوسرے ملک میں آفتاب کی اس درجہ روشنی و گرمی ہوتی ہو۔ اصل سبب یہ ہے کہ سینکڑوں برس تک افریقہ کی ہزاروں میل زمین کا حال لوگوں کو ایک ذرہ بھی معلوم نہ تھا اور اس کا پتہ لگانا طرح طرح کی دشواریوں اور خطروں سے خالی نہ تھا۔ اس وسیع براعظم کے اندرونی حصہ میں جانے کے صرف دو ہی ذرائع تھے، یا تو اس کے دریاؤں کے دہانے سے کشتی کے ذریعہ یا پھر پیدل۔ اس کے بہت سے حصوں میں آج بھی ریل وغیرہ کی قسم سے کوئی چیز نہیں ہے اور سیاحوں کو ملک کے حالات معلوم کرنے کے لئے وسیع اور گھنے جنگلوں کو طے کرنا پڑتا ہے جن میں جنگلی جانوروں اور زہریلے کیڑوں مکوڑوں سے اکثر سابقہ پڑتا ہے، بعض جگہ بخار اور طاعون سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، لیکن ان مشکلات کے باوجود افریقہ کے حالات لوگوں نے معلوم کئے جو آج ہمارے آپ کے سامنے موجود ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے سینکڑوں برس پہلے لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر افریقہ کے کنارے کنارے سفر کیا کرتے تھے۔ ہیرودوٹس (یونان کا ایک مشہور مورخ) نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تقریباً ۶۰۰ برس پیشتر ایک شخص تھا جو افریقہ کے جنوبی سرے تک پہونچا اور "راس امید" کو گھوم کر وہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر آیا۔ لیکن ملک کے اندر جانے کی ہمت کسی شخص کی نہ پڑتی تھی۔ لوگ ایک عرصہ تک اس کے شمالی حصہ میں زندگی بسر کرتے رہے لیکن انھیں اس کی مطلق خبر نہ تھی کہ ملک کے اور حصوں کا کیا حال ہے؟ اگر تم افریقہ کا کوئی نقشہ اٹھا کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کے جنوب و شمال میں دریائے نیل بہتا ہے جو بحر روم میں گرتا ہے۔ اس دریا کے کنارے دنیا کی ایک نہایت مہذب اور ترقی یافتہ قوم گزری ہے اور یہ اس وقت جب کہ یونان اور روما کی تہذیب کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔

لیکن باوجود اس ترقی و شائستگی کے مصر کے لوگوں نے اندرونی حصہ کے حالات معلوم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔

مصریوں کے بعد ایک دوسری قوم آئی جو فنیشین کہلاتی تھی۔ یہ لوگ شام کے علاقہ میں رہتے تھے اور بحری سفر میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ یہ لوگ اس زمانہ میں بادبانی کشتیوں کے ذریعہ انگلستان تک پہنچے تھے جہاں اس وقت لوگ جنگلوں میں پھرا کرتے تھے۔ لیکن انھوں نے بھی افریقہ کے اندرونی حصہ میں گھسنے کی جرات نہ کی۔

اسکے بعد یونانی آئے جو کشتی رانی میں بہت مہارت رکھتے تھے لیکن انکی بھی اس معاملہ میں ایک نہ چلی۔ یونانیوں کے بعد رومی ہوئے جو اسوقت کی کل دنیا کے مالک سمجھے جاتے تھے، مگر وہ بھی سوائے شمالی علاقہ کے باقی حصہ ملک سے محض ناواقف تھے۔ غرض ایک مدت تک دنیا کی بڑی سے بڑی اور طاقتور سے طاقتور قومیں آئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اس اندھیرے گھر میں روشنی نہ پھیلا سکا۔

اسکی اصل وجہ یہ تھی کہ لوگ ریگستان کے اس بڑے سمندر کو پار کرتے ہوئے ڈرتے تھے جسکو "صحرائے اعظم" کہتے ہیں۔ یہ ایک نہایت وسیع ریتیلا میدان ہے جسمیں نہ کسی پینے کو پانی ملتا ہے نہ کھانے کو کوئی چیز۔ اور اس پر اضافہ یہ کہ آئے دن آندھیوں کے بڑے بڑے طوفان آیا کرتے ہیں جنکی وجہ سے بڑے سے بڑے قافلے بھی ریت میں ڈھک کر ہلاک و برباد ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی اس "صحرائے اعظم" سے بچکر جنوب کی جانب ساحل کے کسی راستہ سے ملک کے اندر جانا چاہے تو اسے وہاں بھی چھوٹے چھوٹے صحراؤں، پہاڑوں اور ان سب سے زیادہ گھنے جنگلوں سے گزرنا ہوگا جہاں موت کا ویسا ہی سامان ہے جیسا اس بڑے ریگستانی سمندر میں۔

باوجود اسکے یورپ کے بعض ملکوں سے کچھ ایسے لوگ نکلے جو کشتیوں کے ذریعہ جنوبی اور مشرقی ساحل تک پہنچے اور ساحلی علاقوں پر بسنا شروع ہوئے لیکن اندرونی حصہ میں جانے کی ہمت کسی کی بھی نہ پڑی۔

آئندہ صحبت ہم یہ بتائیں گے کہ کس شخص نے سب سے پہلے اندرون ملک میں قدم رکھا اور اس کے بعد پھر کون کون سے لوگ آئے۔

مذہب

مخلوق کیساتھ نرمی و انصاف

قرآن کریم:-

آیت	ترجمہ
۱- إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ	۱- بیشک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔
۲- إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ	۲- ہم نے تجھ کو زمین کا نائب بنایا ہے، بس تو لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر۔
۳- وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ	۳- جب تم لوگوں کے فیصلے چکاؤ تو انصاف کے ساتھ چکاؤ۔
۴- إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔	۴- اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
۵- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ	۵- اے ایمان والو انصاف کے زبردست ذمہ دار بنو۔
۶- اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ	۶- انصاف کرو یہ پرہیزگاری سے بہت زیادہ قریب کرنے والا ہے۔
۷- وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	۷- جو مومن تیری پیروی کریں ان کے لئے (مہربانی سے) اپنے بازوؤں کو جھکاؤ

احادیث:-

حدیث	ترجمہ
۱- إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَقْرَبَهُمْ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ	۱- قیامت کے دن اللہ کا محبوب ترین بندہ اور اسکی مجلس میں سب سے قریب، امام عادل ہوگا۔
۲- عَدْلُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً	۲- ایک گھڑی کا انصاف بہتر ہے ساٹھ سال کی (بے روح) عبادت سے۔
۳- كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّ رَاعٍ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔	۳- ہر شخص تم میں چرواہا (یعنی ذمہ دار) ہے اور ہر چرواہے (ذمہ دار) سے اسکی ذمہ داری کی بابت پوری بازپرس ہوگی۔

امثال و حکم:-

قول	ترجمہ
۱- ثَبَاتُ الْمُلْكِ بِالْعَدْلِ	۱- ملک کا قائم رہنا انصاف پر ہے۔
۲- وَالٍ عَادِلٌ خَيْرٌ مِنْ مَطَرٍ وَابِلٍ	۲- انصاف کرنے والا حاکم موسلا دھار بارش سے بہتر ہے۔
۳- إِنَّ مَلِكًا عَدَلَ فِي حُكْمِهِ وَقَضِيَّتِهِ اسْتَغْنَى عَنْ جُنْدِهِ وَرَعِيَّتِهِ	۳- جو بادشاہ اپنے احکام اور معاملات میں انصاف کرے اسکو لشکر و رعایا کی ضرورت (لڑنے کے لئے) نہیں ہے۔
۴- بِالرَّأْيِ تَصْلُحُ الرَّعِيَّةُ وَبِالْعَدْلِ تَمْلِكُ الْبَرِيَّةَ	۴- تدبیر سے رعایا کی اصلاح اور انصاف سے مخلوق (کے دلوں) پر فیصلہ ہوتا ہے۔
۵- اَلْعَدْلُ سَبَبُ الْكَوْنِ وَالْجَوْرُ سَبَبُ الْفَسَادِ۔	۵- انصاف سے دنیا کی سلامتی ہے اور ظلم سے دنیا کی تباہی۔
۶- أَفْضَلُ الْمَعْرُوفِ نُصْرَةُ الْمَلْهُوفِ۔	۶- بہترین نیکی مظلوم کی مدد ہے۔

سائنس

پُل کیسے بنتے ہیں؟

کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ دنیا میں سب سے پہلا پل کس نے بنایا اور اس نے کس سے سیکھا۔ قدرت انسان کی سب سے بڑی معلم ہے۔ اکثر انسان کو ایسا اتفاق ہوا ہوگا کہ اس نے کوئی درخت کسی چشمے یا نالے کے آر پار گرا ہوا دیکھا اور وہ ڈالیوں پر سے گزرتا ہوا چشمہ کے پار ہو گیا۔ یہ پل بنانے کا سب سے بنیادی تخیل ثابت ہوا ہوگا۔

پھر اس کے بعد یہ ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر کسی پایاب چشمے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنائے ہوں گے اور پھر ان ڈھیروں پر درخت کی ڈالیاں وغیرہ رکھ کر پار ہو گیا ہوگا۔ یہ پل بنانے کی راہ میں دوسری منزل ہوگی لیکن عمدہ اور مضبوط پل بنانے کے لئے ابھی دنیا کو بہت انتظار کرنا پڑا ہوگا۔

پرانی قوموں میں اہل روما سب سے پہلے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی سلطنت کے اندر محراب دار پل مضبوط اور عمدہ بنائے جن میں سے بعض آج تک موجود ہیں۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد اس سلسلہ میں ایک بڑی اصلاح عمل میں آئی۔ اب تک پل کی محراب بہت گولائی لئے ہوئے ہوتی تھی۔ جس سے ایک طرف گاڑیوں وغیرہ کے چڑھنے میں دشواری ہوتی تھی، دوسری طرف اترنے میں ڈھلکنے کا اندیشہ رہتا تھا۔ اب پل کی محراب نصف دائرہ کی طرح گولائی لئے ہوئے نہیں بلکہ اس طرح چپٹی ہوئی بنائی جانے لگی جیسے انڈے کو لمبائی میں نصف کرنے سے گولائی بنتی ہے۔

اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب کہ ڈھلے ہوئے لوہے کے پل بننے لگے۔ اس میں یہ تو فائدہ ضرور تھا کہ اس قسم کے پل زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتے تھے لیکن بوجھ پڑنے کے وقت جو کھنچاؤ ہوتا ہے، اسے وہ نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد رابرٹ اسیفنسن نامی ایک انگریز نے بجائے محراب دار پل کے ایک طرح کی چوکور سرنگ بنائی جس میں سے ہو کر ریلیں چلتی تھیں۔ اس قسم کا سب سے بہتر پل انگلستان میں دریائے ٹے پر ہے جس کے بنانے والے کا نام سر طامس باؤچ ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک ٹرین اس پل سے گزر رہی تھی کہ یکایک پل درمیان سے ٹوٹ گیا اور تمام مسافر ڈوب گئے۔ سر طامس نے جب یہ سنا تو وہ بھی اس غم میں مر گیا۔

پل میں ایک سب سے بڑی دقت پانی کے اندر بیچ کے ستونوں کی ہوتی ہے اس دشواری سے بچنے کیلئے بعض پل ایسے بنائے گئے ہیں جس میں اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور وہ دریا کے ایک سرے سے دوسرے تک محراب کے ذریعہ بنے ہوتے ہیں۔ اس قسم کا سب سے عمدہ پل انگلستان میں کلفٹن مقام پر ہے۔ یہ پل ۷۰۲ فیٹ لمبا، ۱۴۱ فیٹ چوڑا اور ۲۰۰ فیٹ پانی کی سطح سے بلند ہے۔ جنوبی افریقہ میں اس قسم کا جو پل دریائے زیمبسی پر ہے، وہ پانی کی سطح سے ۴۰۰ فیٹ اونچا ہے۔

اس کے علاوہ ایک قسم کا اور پل بننے لگا جو دریا کے آر پار دو میناروں کے سہارے پر رہتا ہے۔ اس قسم کا بہترین پل لندن میں ہے جو ۸۰۰ فیٹ لمبا ہے۔ جب کوئی جہاز گزرتا ہے تو دونوں طرف سے اسے کھینچ لیا جاتا ہے اور بیچ میں راستہ ہو جاتا ہے جس سے جہاز گزر جاتا ہے۔

نیویارک (امریکہ) میں ایک طرح کا پل ہے جو صرف ایک بڑی محراب سے بنا ہے اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہزار فیٹ کا فاصلہ ہے اور پانی کی سطح سے اسکی بلندی ۱۴۰ فیٹ ہے۔ اس کے بڑے ہونے کا اندازہ کسی حد تک اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے ایک حصہ کے بننے میں ہزار ڈالر صرف ہوئے اور مضبوطی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دونوں جانب کے ستون سو سو فیٹ زمین کے اندر ہیں۔

مختلف قسم کے پُلوں کی تصویریں آئندہ اشاعت میں شائع ہونگی۔ ناظرین اسکے انتظار کی زحمت گوارا فرمائیں

تاریخ

اشوک اعظم

اشوک سلطنت مگدھ کا ایک بہت بڑا راجہ گذرا ہے۔ یہ سلطنت اب سے کوئی سوا دو ہزار برس پیشتر ہندوستان میں قائم تھی۔ پٹنہ یا پاٹلی پتر اس کا پایہ تخت تھا۔ کہتے ہیں کہ اشوک کے سو بھائی تھے اور اس نے اپنے ننانوے بھائیوں کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا لیکن یہ صحیح نہیں، ہاں اتنا البتہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اسے شروع شروع میں تخت کیلئے اپنے بھائیوں سے کچھ مقابلہ ضرور کرنا پڑا ہوگا اس لئے کہ اس کی تاجپوشی کی رسم تخت نشینی سے چار سال بعد عمل میں آئی۔

اشوک کو کسی بیرونی دشمن سے مقابلہ کرنے یا خود اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے لئے جنگ جدال نہیں کرنا پڑی۔ اس نے اپنے باپ سے خود ایک نہایت پر امن اور وسیع سلطنت پائی تھی۔ اسکا دادا چندر گپت ہندوستان کے بڑے مشہور راجاؤں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کی سلطنت تقریباً تمام ہندوستان کو گھیرے ہوئے تھی۔

البتہ صوبہ مدراس کے شمالی ساحل پر کلنگ نامی ایک صوبہ تھا جس کے انتظامات کچھ درست نہ تھے اور اشوک کو اس علاقہ کی درستی و اصلاح کیلئے لشکر کشی کرنی پڑی یہ عجیب اتفاق کہ اس چھوٹی سی جنگ میں لاکھوں آدمی قتل ہوگئے، ہزاروں گرفتار ہوئے اور کتنوں کو تکلیفیں اور ایذائیں پہنچیں۔ اشوک کا دل ان مصائب اور تکالیف سے بہت دکھا اور اس نے اسکے بعد سے عہد کرلیا کہ ملک گیری اور سلطنت کیلئے وہ اب کوئی جنگ نہ کریگا۔ یہ واقعہ اسکی زندگی میں ایسا انقلاب انگیز ثابت ہوا کہ اشوک وہ اشوک ہی نہیں رہا۔ اس نے ہندو مذہب چھوڑ کر بدھ مت اختیار کرلیا جس میں جانوروں کی حفاظت کی سخت تاکید اور دوسروں کو ایذا رسانی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اس نے اب یہ عہد کرلیا کہ بجائے دنیاوی احکام کی تکمیل کیلئے وہ دھرم، اور تقوے کے احکام کی تبلیغ و اشاعت کریگا اور اسکے بعد سے اشوک نہ صرف خود بدھ کی تعلیمات اور اسکے بتلائے ہوئے طریقہ کا پابند اور عامل رہا بلکہ طرح طرح سے دوسروں سے اس کی پابندی کرانے اور اسکو ہر طرف پھیلانے میں بھی نہایت سعی و کوشش سے کام لیا۔

اس سلسلہ میں اشوک نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بدھ مذہب کے جتنے مقدس مقامات اور زیارت گاہیں تھیں اس نے سب کی زیارت کی۔ اور وہاں جا جاکر خانقاہیں بنوائیں جن کو "وہار" کہتے ہیں۔ صوبہ بہار کا نام ہی اسوجہ سے یہ پڑا کہ یہاں بکثرت "وہار" تھے۔ ان وہاروں" اور خانقاہوں میں بدھ مذہب کے پیرو خواہ مرد ہوں یا عورت رہا کرتے تھے جنھیں "بھکشو" اور "بھکشنی" کہتے تھے۔ ان خانقاہوں پر اشوک نے بڑی بڑی جائدادیں وقف کیں اور ان میں رہنے والوں کیلئے آرام و آسایش کا تمام سامان مہیا کیا۔ اشوک نے نہ صرف یہی بلکہ بدھ مذہب کی تعلیمات کو احکامات کی صورتمیں بڑی بڑی چٹانوں اور اونچی اونچی لاٹوں پر کندہ کرا کے مختلف مقامات پر نصب کرا دیئے تاکہ راہگیر اور دور دور مقامات سے آنے جانیوالے ان احکامات کو پڑھیں اور پڑھکر انسے فائدہ اٹھائیں۔ اشوک نے ان احکامات کو بجائے سنسکرت کے کہ جو خاص ہندو ودوانوں (علماء) کی زبان تھی، پالی زبان میں لکھوایا جسے ہر ایک خاص و عام سمجھ سکتا تھا۔ یہ احکامات آج تک ان چٹانوں اور لاٹوں پر موجود ہیں جو دہلی، الہ آباد، سانچی، اور دوسرے مقامات پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اشوک نے بدھ مذہب کی تبلیغ کا نہ صرف یہی طریقہ اختیار کیا کہ جو صرف ہندوستان تک محدود تھا، بلکہ اسنے ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک مثلاً چین، افریقہ اور سیلون میں مبلغین اور پرچارک بھیجے، جنھوں نے ان ملکوں میں جاکر اس دین کی منادی کی اور جسکی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر بدھ مذہب تین چوتھائی براعظموں یعنی اسوقت کی تمام معلوم شدہ دنیا میں پھیل گیا۔ آج دنیا میں بدھ مذہب کے پیرووں کی سب سے بڑی تعداد جو نظر آتی ہے وہ اسیکا طفیل ہے اشوک کی یہی تسخیر ملکی اور فتوحات تھیں جن کا اس نے کلنگ کی جنگ میں توبہ کرنیکے بعد انجام دینے کا عہد کیا تھا۔ یہی وہ احکامات تھے جنکی تعمیل کرانے میں اس نے اپنی پوری قوت صرف کی۔ انھی اسباب کے بنا پر اسکا نام نہ صرف اسوقت کی تمام معلوم شدہ دنیا میں روشن ہوگیا بلکہ آجتک بھی زندہ ہے اور اسیوجہ سے دنیا اسے اشوک اعظم کے نام سے پکارتی ہے جسکی عظمت و شوکت کی شہادت ہندوستان کے قدیم آثار کے جدید اکتشافات سے برابر ملتی جارہی ہے۔

تعلیمی دنیا

رفتار تعلیم

بالآخر قانون پاس ہوگیا کہ ۱۹۳۰ء کے امتحان کے بعد کسی شادی شدہ طالبعلم کو ہائی اسکول کے امتحان میں داخلہ کی اجازت نہ دی جائے الا یہ کہ اس کی شادی یکم جولائی ۱۹۲۹ء سے قبل ہو چکی ہو یا شادی کے وقت اس کی عمر ۱۸ سال سے کم نہ رہی ہو۔

گجرات ودیاپیٹھ کے سابق گریجویٹوں کی کانفرنس نے یہ تجویز پاس کی ہے کہ جو فارغ التحصیل طلبا، کھدر نہیں پہنتے ہیں انھیں انجمن طلبائے قدیم کا رکن نہ بنایا جائے، نیز جو سند یافتہ طلبا، سرکاری محکموں سے تعلق رکھتے ہیں ان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی سندیں واپس کردیں۔

گجرات ودیاپیٹھ کا ساتواں جلسۂ تقسیم اسناد جنوری کے پہلے ہفتہ میں منعقد ہوا۔ ودیاپیٹھ کے چانسلر مہاتما گاندھی جی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس درسگاہ کا سب سے بڑا مقصد قومی کارکن پیدا کرنا ہے اسی جلسہ میں سابق پرنسپل مسٹر کرپلانی کی خدمت میں ۵۹۰۰ روپیوں کی ایک تھیلی اس صلہ میں پیش کی گئی کہ انھوں نے مسلسل ۵ سال تک بلامعاوضہ کام کیا ہے۔ یہ رقم کھدر کے کاموں میں صرف کیجائے گی۔

اوائل جنوری میں صوبہ بنگال کے طلبا کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پنڈت جواہرلال نہرو، مسٹر کے۔ ایف نریمان اور مسٹر وہاش چندر بوس نے خاص طور پر شرکت کی، تینوں صاحبان نے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے خاص طور سے اس امر پر زور دیا کہ طلبا، کو سیاسیات میں پورے طور پر حصہ لینا چاہئیے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہماری سیاست نہ صرف حکومت کے معاملات سے تعلق رکھتی ہے بلکہ اس میں ملک کی اقتصادی اور معاشرتی حالت درست کرنا بھی داخل ہے۔

احمدآباد کالج کے طلبا، آج کل اسٹرائک کئے ہوئے ہیں اور ان کی ہمدردی میں احمدآباد کی دوسری درسگاہوں کے طلبا، نے بھی اپنے اسکولوں اور کالجوں میں جانا بند کردیا ہے۔ احمدآباد کالج کے طلبا کی اسٹرائک کا اصل سبب یہ ہے کہ انھوں نے "سائمن کمیشن" کے بائیکاٹ میں حصہ لیا تھا جبر انکے پرنسپل نے ان پر جرمانہ کردیا تھا۔

کوائف جامعہ

۱۲ر فروری ۱۹۲۹ء کو جامعہ کے ایک بڑے معاون مددگار جناب سیٹھ جمال محمد صاحب کے دو عزیز بسلسلہ سیاحت دہلی تشریف لائے اور جامعہ میں مقیم رہے۔ ان میں سے ایک سیٹھ صاحب موصوف کے چھوٹے صاحبزادے اور دوسرے آپکے رشتہ کے داماد تھے۔ ہر دو صاحبان نے کوئی چار روز قیام کر کے دہلی کی تاریخی عمارات کی خوب سیر کی اور اس عرصہ میں آپ لوگوں نے جامعہ کے کاموں کو بھی دیکھا۔ امید ہے کہ آپ لوگ اپنے ساتھ اچھا اثر لیگئے ہونگے گو اسکا افسوس ہے کہ جامعہ اپنی بے بضاعتی کے باعث آپ لوگوں کی کما حقہ خاطر نہ کرسکی۔

جامعہ میں "انجمن کاسبین" کے نام سے ایک ایسے طلبار کی انجمن قایم ہوئی ہے جو اپنے تعلیم کے مصارف خود سے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس انجمن کا افتتاح کرتے ہوئے شیخ الجامعہ صاحب نے ایک تقریر فرمائی جسمیں آپ نے بتایا کہ دوسرے ممالک میں طلبا کس طرح اپنی تعلیم کے مصارف پیدا کرتے ہیں اور سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھتے ہیں۔ یہ انجمن اپنے ممبران کیلئے ایسے وسائل مہیا کریگی جن سے انھیں کچھ روپیے ملسکیں۔

۱۲ر جنوری ۱۹۲۹ء کو ورلڈ اسٹوڈنٹس کرسچین کانفرنس (جس کا سالانہ اجلاس ابھی میسور میں منعقد ہوا ہے) کے چند عہدیداران اور نمائندے جامعہ تشریف لائے جنھیں شام کو چائے کی ایک دعوت بھی دیگئی۔ انمیں جنوبی افریقہ کے نمائندے مسٹر گن، آسٹریلیا کے نمائندے مسٹر دائلی اور کانفرنس کے سکریٹری مسٹر پال تھے۔ ان سب لوگوں نے یکزبان ہوکر شیخ الجامعہ کے ان خیالات کی جو آپ نے میسور کے اجلاس میں ظاہر فرمائے تھے نہایت تعریف کی اور جامعہ کو دیکھکر ہر ایک نے کمال اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا۔ اخیر میں ڈاکٹر انصاری صاحب نے جامعہ کیطرف سے ان مہمانوں کا نہایت مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

علیا حضرت سابق فرماں روائے بھوپال نے اپنی گزشتہ موعودہ رقم میں سے جس کا وعدہ آپ نے حکیم صاحب مرحوم کے زمانہ میں فرمایا تھا، تین ہزار کی ایک قسط نقد ابھی چند دن ہوئے بھیجی ہے۔ آپکو جامعہ اور جامعہ میں جو آپکے چند عزیز تعلیم پارہے ہیں، انکو دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ خبر ہے کہ دہلی کے اس قیام میں آپ کسی روز جامعہ بھی تشریف لائیں گی۔

نظم

وطن کی یاد

اے وطن اے میرے بہشت بریں
کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں

رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا
وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

تیری دوری ہے مورد آلام
تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے
گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے

جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا
ان کو کیا ہوگا زندگی کا مزا

ہو گیا یاں تو دو ہی دن میں یہ حال
تجھ بن ایک ایک پل ہوا اک اک سال

سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے

میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار
یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار

کیا زمانے کو تو عزیز نہیں
اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں

ہے نباتات کا نمو تجھ سے
زروکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے

سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما
سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا

تیری اک مشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

جان جب تک نہ ہو بدن سے جدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جدا

(رمانی)

قصہ کہانی

مرغی جو اجمیر شریف جانا چاہتی تھی

ایک کالی سی مرغی تھی۔ خوب موٹی خوب صورت۔ انڈے بھی بہت سے دیتی تھی۔ اس کے ساتھ جو دوسری مرغیاں تھیں وہ نہ تو اتنی خوبصورت تھیں نہ اتنے انڈے دیتی تھیں۔ کالی مرغی کچھ تو اسی وجہ سے اپنے کو اوروں سے بڑھا چڑھا سمجھتی کچھ بعض لوگوں کی ناک ہمیشہ چڑھی ہی رہتی ہے۔ غرض یہ کالی مرغی بھی اپنے کو کچھ سمجھتی تھی اور دوسری مرغیوں کے ساتھ اس کا ملنا جلنا بھی کم تھا۔ رات کو دڑبے میں بھی سب سے الگ ایک اینٹ پڑی تھی اس پر چڑھ کر سوتی تھی۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ خوب مزے میں سوتے سوتے اس نے ایک خواب دیکھا۔ اور خواب بھی یہ کہ جلدی سے اجمیر شریف جا، نہیں تو ساری دنیا اجاڑ ہو جائے گی۔ دنیا تو بڑی چیز ہے، مرغی بھلا اسے کیسے اجاڑ ہونے دیتی۔ اس نے جھٹ ارادہ کر لیا کہ بس اجمیر شریف چلنا چاہیئے۔ راستہ میں مشکل پڑے گی پڑے، دنیا تو بچ جائے گی۔

صبح ہی صبح مرغی نے اجمیر شریف کا راستہ پکڑا۔ تھوڑی دور گئی تھی کہ ایک مرغا ملا۔ مرغی بولی "میاں ککڑوں کوں، سلام علیکم" مرغے نے جواب دیا "وعلیکم السلام، بی کٹ کٹ کٹاک۔ کہو، سویرے سویرے کدھر؟" مرغی بولی "اجمیر شریف جاتی ہوں۔ بڑا ضروری کام ہے۔ نہیں تو ساری دنیا اجاڑ ہو جائے گی۔" مرغے نے پوچھا "کٹ کٹ کٹاک، تجھ سے یہ کس نے کہا؟" مرغی نے جواب دیا "میاں ککڑوں کوں! کہا کس نے میں نے خود خواب دیکھا ہے۔" مرغا بولا "اوہ۔ ایسا؟ اچھا تو ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔" تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک بطخ ملی۔ مرغے نے کہا "سلام علیکم۔ بی قیں قیں" "وعلیکم السلام ککڑوں کوں۔ یہ جلدی جلدی کہاں؟" "اجمیر شریف جا رہا ہوں نہیں تو ساری دنیا اجاڑ ہو جائے گی۔" "میاں ککڑوں کوں۔ یہ تم سے کس نے کہا؟" مرغے نے بتایا "کٹ کٹ کٹاک نے" بطخ نے پوچھا "اور بی کٹ کٹ کٹاک تمھیں کہاں سے پتہ چلا؟" مرغی بولی "پتہ کہاں سے چلتا۔ میں نے خود خواب دیکھا۔" "اوہ، ایسا؟" بطخ بولی اچھا تو پھر میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔"

پھر تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک تیتر ملا۔ بطخ اسے دیکھ کر بولی "نمستے بابو کری کاکا" تیتر نے جواب دیا "نمستے بی قیں قیں۔ یہ کدھر؟" بطخ بولی "اجمیر شریف جاتی ہوں۔" "بڑی جلدی کا کام ہے۔ نہیں تو ساری دنیا اجاڑ ہو جائے گی۔" تیتر نے پوچھا "ارے یہ تم سے کس نے کہا؟" بی قیں قیں بطخ بولی "بابو کری کاکا۔ میاں ککڑوں کوں نے" "اور میاں ککڑوں کوں! تم سے کس نے کہا؟" "بی کٹ کٹ کٹاک نے" "اور بی کٹ کٹ کٹاک تمھیں کہاں سے خبر لگی؟" "کہاں سے لگتی۔ میں نے خود خواب دیکھا" "اچھا یہ بات ہے" تیتر نے سوچا "تو پھر میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔"

اب یہ چاروں ملکر اجمیر شریف کی سڑک پر چلے۔ خوب قدم بڑھائے جا رہے تھے۔ کہ دن ڈھلے انہیں ایک لومڑی ملی۔ لومڑی بولی "رام رام بابو کری کاکا۔ یہ آج اس وقت کدھر کو چلے؟ کہو کیا بات ہے؟ بڑے تیز تیز قدم بڑھ رہے ہیں۔" تیتر بولا "بڑی ضرورت کا کام ہے۔ اجمیر شریف جا رہا ہوں۔ نہیں تو ساری دنیا اجاڑ ہو جائے گی۔" لومڑی کو ہنسی تو آئی مگر دبا گئی اور پوچھنے لگی "بابو کری کاکا۔ تم سے یہ کس نے کہا؟" "بی قیں قیں نے" "اور بی قیں قیں تمھیں کہاں سے یہ خبر ملی؟" "میاں ککڑوں کوں سے" "اچھا۔ اور میاں ککڑوں کوں۔ تمھیں کیسے پتہ چلا؟" "بی کٹ کٹ کٹاک سے" "اور بی کٹ کٹ کٹاک، تم سے کس نے کہا؟" مرغی بولی "مجھ سے کون کہتا۔ میں نے خود خواب دیکھا ہے۔" "اچھا یہ بات ہے۔ میں اب سمجھی۔ مگر اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ دنیا کہیں اتنے جلد اجاڑ تھوڑی ہو جائے گی۔ اب شام ہو گئی ہے۔ میرے گھر میں چل کر آرام کرو۔ صبح پھر اجمیر شریف چلے جانا۔ ایسا ہی ہوا تو میں بھی ساتھ چلی چلوں گی۔" یہ چاروں دن بھر کے تھکے ماندے تھے۔ لومڑی کی باتوں میں آ گئے۔ اور اس کے ساتھ ہو لئے۔ لومڑی انہیں اپنے گھر میں لائی۔ جاڑوں کا زمانہ تھا۔ سردی خوب پڑ رہی تھی اور یہ چاروں سی سی۔ سی سی کر رہے تھے۔ لومڑی نے گھر میں انگیٹھی جلائی۔ گرمی جو پہنچی تو چاروں کو نیند آنے لگی۔ تیتر اور بطخ تو ایک طرف کونے میں جا کر سو گئے۔ مگر مرغا اور مرغی ایک

ہو دن بھر چلتے چلتے تھک گئے تھے ایک سیڑھی رکھی تھی اڑ کر اس کے ایک ڈنڈے پر جا بیٹھے۔ اور سب کے سب ایسے گرم ہو کر سو گئے جیسے ہو لا۔ یہ سب جب خوب گہری نیند سو گئے تو لومڑی نے چپکے سے بطخ کو پکڑا اور الگ لیجا کر کوئلوں پر رکھ کر خوب بھونا۔ پر جو جلے اور چر چر کی آواز اٹھی تو اس کی چراند سے مرغی کی نیند ذرا ٹوٹی اور وہ پھدک کر سیڑھی پر ذرا اور اونچی ہو بیٹھی اور نیند ہی میں کہنے لگی "اوں ہوں۔ یہ تو نکہت ہے۔ یہ تو نکہت ہے" لومڑی بولی۔ "چپ۔ چپ۔ سو جا۔ سو جا۔ ذرا دھواں گھٹ گیا ہے۔ بس۔ چونچ مت کھولنا نہیں تو پیٹ میں بھر جائیگا"

مرغی پھر سو گئی۔ ادھر لومڑی جب بطخ کو چٹ کر چکی تو اب تیتر کو سنبھالا۔ اور اسے بھی لیجا کر انگاروں پر خوب بھونا۔ مرغی کی نیند اچاٹ تو ہو ہی گئی تھی پھر اس کی آنکھ کھلی پھر یہ ایک کر ذرا اوپر اونچی ہو بیٹھی۔ اور کہنے لگی "یہ تو نکہت ہے۔ یہ تو نکہت ہے" سویرا بھی ہو چلا تھا۔ اب کی مرتبہ مرغی کی آنکھ بالکل کھل گئی۔ اور اس نے جو دیکھا کہ لومڑی تو بطخ اور تیتر دونوں کو ختم کر چکی ہے تو ایک کر سیڑھی کے سب سے اونچے ڈنڈے پر جا بیٹھی۔ اوپر دیوار میں ایک روشن دان تھا۔ اس میں سے گردن باہر نکال کر دیکھنے لگی اور بولی "او، ہو۔ ذرا کوئی دیکھے کتنی بطخیں جا رہی ہیں۔ اور کیسے اچھے اچھے بچے ہیں۔ اوہو" لومڑی نے جو یہ سنا تو سمجھی کہ واقعی باہر بطخوں کا قافلہ جا رہا ہو گا بطخ کے بچوں کے نرم نرم گوشت کا خیال کر کے اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ سوچا کہ جاؤں کچھ جوڑے تو پھانس لاؤں، اور جھٹ دروازہ کھولا اور ایسی سیدھی باہر گئی جیسے تیر۔ مرغی کو موقع ملا۔ اس نے جھٹ مرغے کو اٹھایا۔ ارے ککڑوں کوں۔ اٹھ۔ جلدی اٹھ۔ یہ کیا غضب ہو گیا۔ وہ جو انگڑائیاں لیتا اٹھا تو مرغی نے سب قصہ سنایا۔ لومڑی دو ساتھیوں کو تو ہپ کر گئی ہے۔ اب ہماری باری ہے۔

بس مرغی اور مرغا دونوں دیوار کے روشندان میں سے جیسے تیسے سمٹ سمٹا کر نکلے اور اڑ کر باہر ہو پہنچے۔ اور دو پہر تک چلکر اجمیر شریف پہنچے۔ اور جو اجمیر شریف نہ پہنچ جاتے تو سچ ہے ان دونوں بیچاروں کے لئے بھی دنیا ایسی ہی ہو جاتی جیسے بی تیتر اور بابو کری کا کے لئے ہو گئی۔

مینڈکوں کا بادشاہ

پرانے زمانہ میں تمام مینڈک تالابوں میں نہایت آزادی کے ساتھ رہا کرتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے جو جی میں آیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ سب کے سب جمع ہوئے اور آپس میں یہ صلاح کی کہ ہم کو مریخ کے پاس یہ درخواست دینی چاہیئے کہ وہ ہمارے لئے ایک بادشاہ کا انتخاب کر دے تاکہ ہمارے تمام کاروبار درست رہیں اور ہم آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔

مریخ ان کے شور و غوغا سے ان کے دل کی بات سمجھ گیا اور ان کی درخواست پر ہنسا لیکن ان کی خاطر اسنے ایک بڑا لٹھا تالاب میں گروا دیا جسکے جھکولے اور آواز سے تمام مینڈک چونک اٹھے اور اپنی اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ یہ حالت دیکھتے ہی وہ مارے ڈر کے جھٹ پانی کے اندر گھس گئے اور ہر ایک تالاب کے کسی نہ کسی گوشہ میں جا چھپا اور ڈر کے مارے سہم گئے بالآخر ایک مینڈک نے ذرا ہمت کی اور سر نکال کر جھانکا کہ دیکھیں بادشاہ سلامت کا کیا حال ہے؟ اس نے جب لٹھے کو چپ چاپ پڑا دیکھا تو اس کی ہمت ذرا اور بڑھی اور کھسکتے کھسکتے قریب آیا۔ اب تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے مینڈک بھی رینگنے لگے اور جب دیکھا کہ بادشاہ سلامت خاموش پڑے ہیں تو وہ جرات کر کے اس پر اچھل کود لگانے لگے۔

انھوں نے جب اپنے بادشاہ کا یہ حال دیکھا کہ وہ سست اور خاموش پڑے رہتے ہیں تو وہ ان سے بہت مایوس ہوئے اور انھوں نے پھر ایک درخواست مریخ کے پاس بھیجی کہ ہمیں ایسا کاہل اور سست بادشاہ نہیں چاہیئے بلکہ اس کی بجائے ہم پر کوئی دوسرا بادشاہ مقرر کیا جائے۔ مریخ نے ان کی اس نئی درخواست پر ایک بگلے کو ان کے ہاں بھیج دیا جو اپنی لمبی گردن اور بڑی چونچ سے ان کا ایک ایک کر کے شکار کرنے لگا اب تو ان کا ناکوں میں دم تھا۔ جہاں ذرا کنارے پر آنے یا گردن نکالی اور اس بگلے کا لقمہ بنے۔

پھر تو انھوں نے مشتری کو اپنا سفارشی بنا کر مریخ کے پاس بھیجا کہ وہ ہمیں بادشاہ سے نجات دلائے لیکن مریخ نے جواب دیا کہ نہیں یہ ان کی اس حماقت کی سزا ہے کہ انھوں نے اپنی اصلی حالت کو بدلنا چاہا اور قدرت کی دی ہوئی آزادی پر قانع نہ رہے۔

ایک شہزادے کی تعلیم و تربیت

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا جس کی بہت بڑی سلطنت تھی اور جس کے پاس بہت سا مال و دولت تھا۔ اس کے ایک بیٹا تھا جو نہایت خوبصورت اور ذہین و بڑا فہم تھا۔ اس بادشاہ نے حکم دیا کہ سلطنت کے اندر جہاں کہیں کوئی عالم فاضل اور عقلمند شخص ملے وہ شہزادے کی تعلیم و تربیت کیلئے بلایا جائے۔ چنانچہ ایک ایسے شخص کو جو علم و فضل اور عقل و فہم میں سب سے بڑھ کر تھا۔ شہزادے کی تعلیم کے لئے مقرر کیا اور کہا کہ اس لڑکے کو اس لائق بنا دیا جائے کہ وہ ملک کی تمام نظم و نسق سلطنت تمام تر بیدار مغزی سے چلا سکے اور عدل و انصاف کے تمام اصولوں سے بخوبی واقف ہو جائے۔ اس عالم نے نہایت خوشی سے ان سب باتوں کو قبول کیا اور انکے انجام دینے میں مصروف ہو گیا۔ جب تعلیم کی مدت قریب ختم ہونے کو آئی اور شہزادہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو گیا تو بادشاہ کو خبر دی گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دوسرے دن صبح کو اس عالم کو مع شہزادے کے دربار میں حاضر کیا جائے تاکہ اب تک اس نے جو تعلیم حاصل کی ہے، اس کا امتحان لیا جائے اور تمام اہل فضل و کمال اور ارباب سلطنت و حکومت پر میرے بیٹے کی قابلیت اور صلاحیت کا اظہار ہو سکے۔ جب یہ حکم صادر ہوا تو استاد نے بادشاہ سے تین دن کی مہلت طلب کی۔ چنانچہ بادشاہ نے جب اس کی اس درخواست کو منظور کر لیا تو پہلے دن وہ استاد مع شہزادے کے ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور جب شہر سے باہر پہونچا تو اس کو گھوڑے سے اتار دیا اور اپنے گھوڑے کے آگے آگے کئی میل تک پیدل دوڑایا جس سے اس نازک بدن شہزادے کو سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ دوسرے دن وہ اس کو واپس لایا اور سارا دن مکتب میں کھڑا رکھا جس سے وہ شہزادہ سخت پریشان ہوا۔ جب تیسرا دن ہوا تو وہ اس کو پھر مکتب میں لایا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑے کی ضربیں لگائیں جس سے شہزادے کا تمام جسم زخمی ہو گیا اور اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر خود بھاگ گیا۔ دوسرے دن جب نوکروں کو شہزادے کا یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے سب سے پہلے اسے اس بند سے آزاد کیا اور پھر اس کے بعد استاد کی تلاش شروع کی لیکن جب نہ پایا تو بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ نے لڑکے کو مجمع علما کے سامنے لانے کا حکم دیا۔ جب اس کا امتحان لیا گیا تو ہر علم و فن میں شہزادہ پورا اترا۔ بادشاہ نے استاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے لڑکے کو تعلیم و تربیت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے لیکن لڑکے کو اس طرح زد و کوب کرنے اور خود فرار ہو جانے کا سبب نہیں معلوم۔ حکم دیا کہ استاد کو جہاں ہو وہاں سے تلاش کر کے لایا جائے۔ ایک عرصہ دراز کے بعد وہ معلم جب واپس آیا تو بادشاہ نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی اور اس سے شہزادے کو پیدل دوڑانے، دن بھر کھڑا رکھنے، مارنے اور خود بھاگ جانے کا سبب پوچھا۔ معلم نے دست بستہ عرض کی کہ حضور اگر جان بخشی کی جائے تو میں اس کا اصل سبب بیان کروں۔ بادشاہ نے یقین دلایا کہ تیری جان و مال سب کچھ محفوظ ہے، اصل وجہ بیان کر۔ معلم نے عرض کیا کہ حضور والا! سب سے پہلے دن میں نے اس شہزادے کو اپنے گھوڑے کے ساتھ جو پیدل دوڑایا تو وہ اس لئے کہ اس کو ان نوکروں چاکروں کی تکلیف اور ذلت کا جو اس کے رکاب کے ساتھ دوڑتے پھرتے ہیں، پورا پورا احساس ہو جائے اور دن بھر کھڑا اس وجہ سے رکھا کہ ان لوگوں کی حالت کا اسے اندازہ رہے جو شب و روز اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اور ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑے جو مارے تو وہ اسلئے کہ بادشاہ اکثر غصہ میں آکر سخت سے سخت سزاؤں کا جو حکم دیدیتے ہیں تو خود بھی اس کو دوسروں کی تکلیف و درد کا احساس رہے۔ اور خود بھاگ جانے کا سبب یہ ہے کہ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہزادے کی یہ حالت دیکھکر شفقت پدرانہ جوش میں آئے اور مجھے کسی سزا کا حکم دیدیا جائے جس سے شہزادے کی تمام مشقت اور میری تمام محنت کا اثر زائل ہو جائے۔ بادشاہ معلم کی ان باتوں سے بہت خوش ہوا اور اسے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔

(ماخوذ از طبقات ناصری)

انعامی معمہ

دائیں سے بائیں

۱- پہلے سے ایک مشہور شعر شروع ہوتا ہے اور نقشہ کے چاروں طرف گھوم کر نمبر ۱۲ پر ختم ہو جاتا ہے۔ ہر دو مصرعہ الگ الگ دکھا دئے گئے ہیں۔

۹- شروع
۱۰- ایک پرند
۱۱- دوا سے غم
۱۲- درخت
۱۳- صندوقچہ
۱۴- تیغ
۱۵- ایک عضو
۱۶- قیمت
۱۷- نبا مخاصمت
۱۸- اقرار
۲۰- شب برات کا درمیانی حصہ
۲۲- ایک مرض
۲۴- پانی
۲۵- ایک مشہور قوم
۲۶- زبردست (مقلوب)
۲۷- ترف
۲۸- فریب
۲۹- تکلیف
۳۰- عریانی
۳۱- ایشیا کا ایک ملک
۳۲- مشکل
۳۴- ایک اناج
۳۶- کھانے کی شے
۳۸- صبح
۴۰- زر

اوپر سے نیچے

۲- بحری افسر
۳- اہل . . .
۴- زینت گلزار
۵- دست درازی
۶- خدا نکرے
۷- فریب
۸- ایک مشہور حسین عورت
۱۳- قیمت
۱۴- سمجھ
۱۹- دنیا کا ایک مشہور و معروف شہر
۲۱- زینت
۲۳- کھانے کی ایک ضروری شے
۲۸- طریقہ
۲۹- ملیح
۳۳- آثار (مقلوب)
۳۵- جڑ
۳۷- مستی
۳۹- پانی
۴۰- عمدہ

مرسلہ

سید ظہیر الدین احمد ایم - اے، ایل ایل - بی، وکیل فتح گڑھ (یو - پی)

ہدایات

۱- روز اشاعت سے پندرہ یوم کے اندر تمام حل آجانا چاہیئے۔
۲- ہر حل کے ساتھ تین آنے (۳/) کے ٹکٹ ملفوف ہوں۔
۳- ایک انعام مبلغ پانچ روپیہ (صہ/) کا ہوگا جو کہ صحیح حل کرنے والے کو دیا جائے گا۔ لیکن ایک سے زائد صحیح حل وصول ہونے پر انعام مذکور جملہ صحیح حل کنندگان میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔
۴- حل پتہ ذیل پر آنا چاہیئے:-

سید ظہیر الدین احمد ایم - اے، ایل ایل - بی وکیل فتحگڈھ (یو - پی)

فہرست معطیان اجمل جامعہ فنڈ

(مدراس)

نمبر	نام	رقم
۱	جناب سیٹھ جمال محمد صاحب	۱۵۰۰۰
۲	جناب سی - عبدالحکیم صاحب	۵۰۰۰
۳	جناب روشن این - ایم - اے کریم عمر اینڈ کو	۳۰۰۰
۴	دیوان بہادر ایم بالاسندرم نیڈو گارو	۲۵۰۰
۵	این - بی معطب صاحب	۲۰۰۰
۶	سکے حاجی عبدالقادر صاحب لال باجا صاحب اینڈ کو	۲۰۰۰
۷	سی - حاجی زین العابدین صاحب اینڈ کو	۱۵۰۰
۸	پی - حاجی باجا صاحب اینڈ کو	۱۵۰۰
۹	ایم - جے - جمال محمد الدین صاحب	۱۰۰۰
۱۰	آر - ای محمد قاسم صاحب جے پی	۱۰۰۰
۱۱	کے - سری نواس آئنگر	۵۰۰
۱۲	خان بہادر محمد عبدالعزیز بادشاہ صاحب	۵۰۰
۱۳	زین العابدین صاحب تاجر پاس	۵۰۰
۱۴	سر حاجی اسماعیل سیٹھ	۵۰۰
۱۵	مرایقہ حاجی اسمعیل صاحب	۵۰۰
۱۶	ایس - وی - راما سوامی مدلیار	۲۵۰
۱۷	آنریبل سر ایس آر ایم انملے چٹیار	۲۵۰
۱۸	سر سی - پی - راما سوامی آئیر	۲۵۰
۱۹	کے - پی - وی - شیخ محمد راؤتھر صاحب	۲۵۰
۲۰	کے - ایس عبدالعزیز صاحب اینڈ کو	۲۰۰
۲۱	سی - اے - محمد قاسم صاحب اینڈ کو	۱۵۰
۲۲	پی - عبدالقادر صاحب اینڈ کو	۱۰۰
۲۳	ٹی - اے - محمد اسمعیل صاحب	۱۰۰
۲۴	سی - ایچ - خضر محمد صاحب اینڈ کو	۱۰۰
۲۵	یونس سیٹھ اینڈ سنز	۱۰۰
۲۶	مسلم خواتین معرفت مسز اسلم صاحبہ	۱۰۰
۲۷	اے - ایس - قادر باچا صاحب اینڈ سنز	۱۰۰
۲۸	ٹی - بی - پی - ایس - عبدالرزاق صاحب اینڈ کو	۱۰۰
۲۹	ایس - ایم - کے پی باوادین صاحب	۵۰
۳۰	راجہ سنار چٹیار صاحب	۵۰
۳۱	او - سی - پی - ایس - ای عبدالقادر صاحب	۵۰
۳۲	ایک ہمدرد	۲۵
۳۳	ایم - حاجی عبدالرحمن صاحب ابن عبدالسبحان صاحب	۱۵۰
۳۴	نوپایہ مسلمان ہمدرد معرفت جناب پی صاحب ایم ایس سی وی پوکر صاحب بی اے بی ایل	۱۵۱
۳۵	مسز ٹی - اے - حاجی عبدالرزاق صاحب	۵
۳۶	ایس سری نواس آئنگر صاحب	۱۰۰۰
۳۷	وی - حاجی عبدالرحمن صاحب اینڈ کو	۵۰۰
۳۸	او - پے عبدالکریم صاحب اینڈ کو	۲۵۰
۳۹	کوراتائی حاجی محمد یعقوب صاحب	۲۵۰
۴۰	ایم - جے - عبدالقادر صاحب	۲۵۰
۴۱	ایم - جے - محمد ابراہیم صاحب	۲۵۰
۴۲	ایس - اے - پی - محمد قاسم صاحب اینڈ کو	۲۰۰
۴۳	کے - ایم - اکبر باچا صاحب	۱۰۰
۴۴	ابراہیم حبیب اللہ صاحب	۱۰۰
۴۵	مدیکار عبدالعزیز صاحب	۱۰۰
۴۶	پیووتی عبدالرحیم صاحب	۱۰۰
۴۷	جی - عبدالعزیز صاحب	۱۰۰
۴۸	آنریبل مسٹر جی - اے سنٹےسن	۱۰۰
۴۹	مولوی ابوظفر صاحب ندوی	۱۰۰
۵۰	خانصاحب - این - ایم - خواجہ میاں راؤتھر	۱۰۰
۵۱	خان بہادر حاجی مولوی ضیاء الدین محمد صاحب	۱۰۰
۵۲	بی - حیات باچا صاحب	۱۰۰
۵۳	ایم - محمد حسن صاحب	۵۰
۵۴	اوکی عبدالقدوس صاحب	۵۰
۵۵	ٹی - اے - حاجی عبدالرزاق صاحب	۵۰
۵۶	تاجران پنجابی معرفت مولوی محمد سعید صاحب	۲۷۷
	میزان	۴۳۶۵۰

چند مفید کُتب

رفعتِ تنقید دنیائے اُردو ادب میں یہ پہلی کتاب ہے۔ جس میں فنِ تنقید کے مبادیات و متعلقات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اسکے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصہ میں ادب کی تقسیم۔ اصولِ تنقید اور تنقید نگاروں کے فرائض بیان کئے گئے ہیں اور پیش کردہ اصولوں کے تحت اُردو کی مشہور مثنوی سحرالبیان پر تنقید کرکے اصولوں کا استعمال دکھایا گیا ہے دوسرے حصہ میں۔ یونان۔ روما۔ ازمنہ متوسطہ و عصر بیداری کی ارتقائی تاریخ، فرانس، انگلستان اور یورپ میں اٹھارہویں صدی کے بعد سے ابتک جو اصولِ تنقید رائج ہوئے انکا تفصیلی بیان، مروجہ تنقید اور چند تنقیدی کارنامے درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف فاضل انشاپرداز مولوی سید غلام محی الدین صاحب قادری زورؔ ایم۔ اے (عثمانیہ) ہیں۔ حجم تقریباً (۳۰۰) صفحہ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ پاکٹ ایڈیشن قیمت عہ ۱۲آ ر

تنقیدی مقالات یہ بھی جناب زورؔ صاحب کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب رفعتِ تنقید کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں انگریزی فارسی اور اُردو زبانوں کے مصنفین و شعراء یعنی ٹامس گرے، ہورس اسمتھ، ابو علی، مصنف طبقات ناصری، میر تقی، میر حسن، غالب، حالی، میر انیس اور کیفی حیدرآبادی کے کلام و مضامین پر رفعتِ تنقید کے پیشکردہ اصولوں کی روشنی میں تنقید کرکے اصولوں کا استعمال دکھایا گیا ہے حجم تقریباً (۵۰۰) صفحے لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت ۱۲ ؍ ہے

اُردو کے اسالیبِ بیان مصنفہ جناب زورؔ صاحب۔ یہ بھی اُردو ادب میں پہلی کتاب ہے جس میں اُردو نثر کے ابتدائی زمانہ سے لیکر موجودہ زمانے تک نثر نگاروں کے طرزِ تحریر و اسلوبِ بیان کے متعلق ایک عبوری ادبی تاریخ و تنقید ہے مصنف نے اخیر میں اُردو نثر کے مستقبل کی نسبت اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے حجم (۲۰۴) صفحے۔ لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد قیمت عہ

طلسمِ تقدیر مصنفہ زورؔ صاحب۔ یہ ایک نیم تاریخی فسانہ ہے جس میں دکن کی تاریخ اور اسکے باشندوں کی تمدنی حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور نیز اس میں تقدیر و تدبیر کی بحث کو بڑی خوبی سے سلجھایا گیا ہے۔ ضخامت (۶۵) صفحے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸ ؍

دنیائے افسانہ اُردو کی ادبی دنیا میں یہ پہلا ہی کارنامہ ہے جسکو مولوی محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی (عثمانیہ) نے تصنیف کرکے اُردو زبان پر احسان کیا ہے۔ اس میں ناول نگاری اور افسانہ نویسی کی تاریخ اور اس کے اصول و مبادیات کا تفصیلی بیان درج ہے ضخامت (۲۱۰) صفحہ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت عہ ۴آ

دکن میں اُردو قدیم اُردو کو چار دوروں میں تقسیم کرکے اس کے نظم و نثر کی عبوری تاریخ پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ ہر دور کے شعراء کے جستہ جستہ حالات کے ساتھ ان کے کلام کا نمونہ پیش کرکے اُردو زبان کا ارتقا دکھلایا گیا ہے۔ یہ اُردوئے قدیم کی تاریخ ہے جسکو مولوی محمد نصیرالدین صاحب ہاشمی منشی فاضل نے تالیف کیا ہے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ حجم (۲۰۷) صفحے۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت ۱۲ ؍

خیابانِ اُردو ہندوستان کے چوٹی کے اُردو انشا پردازوں اور نامی گرامی شعراء کی نظم و نثر کا لاجواب انتخاب ہے۔ جسکو جناب احمد عارف صاحب نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ یہ علمی گلدستہ اس قابل ہے کہ ہر تعلیم یافتہ اس سے اپنے کتب خانہ کو زینت دے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ۔ حجم (۴۱۰) صفحے پاکٹ ایڈیشن سادہ مجلد عہ

اسوۂ حسنہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کے سامنے کیسی زندگی پیش کی ہر مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے ضخامت (۸۰) صفحے کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ۔ پاکٹ ایڈیشن قیمت ۸ ؍

فہرست مضامین

۱- دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟	......	۲
۲ ہمارے بدنصیب ملک کی سب سے بڑی بدنصیبی	از ایڈیٹر	۳ و ۴
۳- رفتار تعلیم و کوائف جامعہ	کوائف نگار	۵
۴ اچھی باتیں	ماخوذ از "خاکسار نیزل"	۶
۵- کرۂ ہوائی میں سفر	مطیع اللہ صاحب متعلم جامعہ	۷
۶- ہربرٹ کلارک ہوور (صدر امریکہ)	غ-س- صاحب	۸ و ۹
۷ افریقہ پر دوسری قوموں کا قبضہ	"سیاح"	۱۰
۸- وانگ تفو (چینی قصہ)	م-ب ممتاز صاحبہ مارہروی	۱۱ تا ۱۳
۹- انعامی معمہ	محمد اسمٰعیل صاحب متعلم جامعہ	۱۴
۱۰- اشتہار		۱۵
۱۱- "		۱۶

دنیا میں کیا ہو رہا ہے

ہندوستان

اخبار "پایونیر" نے ملک معظم انگلستان کی صحت یابی پر ایک "ادائے شکر کا فنڈ" کھولا ہے جس سے ہندوستان کے غربا و مساکین کی مدد کی جائے گی - اس فنڈ میں سب سے پہلی رقم الہ آباد کے ایک مسلمان ریلوے انسپکٹر نے بھیجی ہے اور وہ بھی ایک عجیب طریقہ پر - ٢٥ رفروری کو جب اخبار مذکور کا دفتر کھلا تو چار چھوٹے چھوٹے بچے باہر کھڑے ہوئے تھے جن کی جیبوں میں آٹھ آنے سے لیکر ایک آنے تک پیسے تھے - اس وقت تک اس سرمایہ کی مجموعی رقم ٤ ہزار سے اوپر پہونچ گئی ہے

ہندوستان کے مشہور پہلوان **گاما** نے ایک اور زبردست کشتی ماری ہے ایکی بار یہ مقابلہ یورپ کے ایک سب سے نامی گرامی پہلوان **جس پیٹرسن** سے ہوا تھا - ناظرین کو یاد ہوگا کہ گزشتہ سال وہ یورپ کے ایک اور زبردست پہلوان **زبیسکو** سے بھی کشتی جیت چکا ہے جو ١٠ سکنڈ میں ختم ہوگئی تھی - اس کشتی کے مارنے میں بھی اسے کچھ بہت دیر نہیں لگی اور جب گاما نے اپنے حریف کو چیت کرلیا تو وہ کوئی نصف منٹ تک اس کے سینہ پر بیٹھا رہا - مہاراجہ پٹیالہ نے اسے ایک چاندی کا گرز اور کئی ہزار روپے بطور انعام کے دیے ہیں -

---

اسمبلی کے صدر **مسٹر پٹیل** کی دعوت پر ١٩ رفروری کو لارڈ اروِن ویسرائے ہند اور ہندوستان کے بعض سربرآوردہ لیڈروں میں سیاسی مسائل پر ایک گفتگو ہوئی - ہندوستانی لیڈروں میں مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت مالویہ، اور مسٹر محمد علی جناح خاص طور پر قابل ذکر ہیں - گفتگو کی تفصیل اخبارات میں نہیں آئی ہے لیکن اس قدر یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ اس گفتگو کا کوئی خاص نتیجہ ظاہر نہیں ہوا - ابھی دلوں مہاتما گاندھی اور مسٹر جینا میں بھی بہت کچھ گفت و شنید رہی تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے لیکن وہ بھی بے نتیجہ رہی -

ممالک غیر

افغانستان میں جنگ کے آثار روز بروز قوی ہوتے جارہے ہیں

٢٤ رفروری کو انگریزی سفارتخانہ وہاں سے کلی طور پر منتقل ہوگیا ہے - امیر امان اللہ خاں کا ارادہ ہے کہ رمضان گزرنے پر اگر موقع ہوا تو اس سے پیشتر ہی کابل پر حملہ کردیں - جنرل نادر خاں جو ایک نہایت با اثر شخصیت رکھتے ہیں، ہندوستان سے ہوتے ہوئے افغانستان پہونچے ہیں - انکا ارادہ ہے کہ اپنے وطن کی خدمت کریں اور وہ اس طرح پر کہ امیر امان اللہ خاں کو پھر دوبارہ افغانستان کے تخت پر لائیں -

---

چین اور جاپان میں ایک عرصہ سے جو چشمک چلی آتی ہے اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہورہا ہے کہ چین نے جاپان کے مال کا بائیکاٹ کرنا شروع کردیا ہے اور ابھی اس تحریک کو ایک سال سے کم ہی کا عرصہ گزرا ہے کہ ٦ سو ٹن کپڑا بندرگاہ میں پڑا سڑ رہا ہے اور ایک بڑی مقدار اور بھی بھیجی جانے کے لئے تیار رکھی ہے -

کاش ہندوستان کے لوگ اس سے سبق حاصل کرتے اور مہاتما گاندھی جی عنقریب بدیسی کپڑوں کے بائیکاٹ کی جو تحریک شروع کرنے والے ہیں، اس میں یہ لوگ پورے جوش خروش سے کام کرتے!

امیر امان اللہ خاں نے ابھی حال میں ایک تقریر کی ہے جس میں انھوں نے وہ تمام واقعات بیان کئے ہیں جو انکے تخت سے علیحدہ ہونیکے باعث ہوئے ہیں انھوں نے فرمایا کہ ملائے شور بازار (جو افغانستان کے ایک نہایت با اثر پیر ہیں) میرے پاس آئے اور مجھ سے قرآن ہاتھ میں لیکر درخواست کی کہ اسوقت آپکا اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جانا ہی آپکے لئے بہتر ہے - میں علیحدہ ہوگیا تو یہی انھوں نے عنایت اللہ خاں کے ساتھ بھی کیا - اور اب وہ بچہ سقہ کی حمایت میں بڑے جوش و خروش سے سرگرم ہے -

ہمارے بدنصیب ملک کی سب سے بڑی بدنصیبی

ہندوستان کی جہالت اور اسکے اسباب

ہندوستان یوں کہنے کو تو ایک ملک ہے لیکن درحقیقت وہ بہت سے ملکوں کا ایک ملک ہے اور جتنا ہی بڑا یہ ملک ہے، اتنی ہی بڑی اسکی مشکلات اور دشواریاں بھی ہیں۔ اس بدنصیب ملک کی ایک سب سے بڑی مشکل اس کے بسنے والوں کی جہالت اور ان کا اَن پڑھ ہونا ہے۔

ہزاروں، لاکھوں کیا بلکہ کروروں انسان اس دیس کے ایسے ہیں جنھوں نے کبھی کتاب کی صورت نہیں دیکھی ہے اور نہ کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا ہے۔ اسکول کالج یا یونیورسٹی کا نام ان کے کانوں میں آج تک نہیں پڑا۔ سوا سو ڈیڑھ سو برس سے جب سے انگریزی حکومت یہاں قایم ہوئی ہے اس وقت سے لیکر اس ملک میں جتنے باشندوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا وہ سو میں سے مشکل سات مرد اور عورت نکلیں گے یعنی اس ملک کے ہر سو آدمیوں میں ۹۳ آدمی جاہل اور اَن پڑھ ہیں اور جو الف بے سے بھی واقف نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اس بات کو اچھے طور پر ظاہر کیا جائے۔ فرض کرو کہ یہ پورا چوکور ستون ہندوستان کی پوری آبادی ہے۔ اب اس میں جتنا حصہ سیاہ ہے۔ اس کو بس یہ سمجھو کہ ہندوستان کی جہالت اور بے تعلیمی کی تاریکی ہے جو چھائی ہوئی ہے۔ یہاں کے برطانوی علاقے کی کل آبادی تقریباً ۲۵ کروڑ ہے جس میں کوئی ۲۳ کرور بالکل ان پڑھ اور جاہل ہیں اور مشکل ۲ کرور لکھے پڑھے لوگ ہیں۔ اب اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس بدنصیب دیس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ تو درکنار معمولی پڑھے لکھے لوگوں کا کس درجہ قحط ہے۔

لیکن اس قحط کی تدابیر سوچنے سے قبل آیئے ہم ذرا اسکے اسباب بھی غور کر لیں اور دیکھیں کہ وہ کیا باتیں ہیں جن کی وجہ سے اس ملک پر جہالت اور بے تعلیمی کی ایسی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے کہ کسی طرح چھٹتی نظر نہیں آتی۔ سب سے بڑی رکاوٹ تو اس راہ میں یہاں کے لوگوں کی پرانی باتوں سے انس و محبت اور نئی چیزوں سے گریز اور نفرت ہے۔ مغلیہ سلطنت مٹنے کے بعد جب انگریزی راج قایم ہوا تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس سے یہاں کے معاشرتی نظام میں کوئی بہت بڑا فرق، تغیر اور انقلاب بھی ہوا ہوگا۔ اتنا تو آپ میں سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہاں کی اکثر آبادی دیہاتوں کی رہنے والی ہے اور صرف تھوڑے سے لوگ ہیں جو کل شہروں میں ملا کر رہتے ہیں۔ یعنی ہر دس آدمی میں سے نو آدمی گاؤں میں رہتا ہے اور صرف ایک شہر کا باشندہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں آپ یقین کیجئے کہ سلطنت کے بدل جانے اور پھر اسکول، کالج اور بعض بڑے بڑے شہروں میں یونیورسٹیوں کے قایم ہونے سے بھی ان گاؤں کے رہنے والوں پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا، بلکہ ان تعلیمگاہوں سے جو لوگ مستفیض ہوئے وہ وہی ایک شہر کے باشندے ہوئے یا وہ دیہات کے زمینداروں اور کاشتکاروں کی کچھ اولاد ہیں جنھوں نے گاؤں کو چھوڑ کر شہر ہی کو اپنا مسکن اور مرکز بنا لیا۔ ان ہزارہا اور لکھوکھا دیہاتوں کے اندر جدید تعلیم کی اس روشنی کی کوئی کرن نہیں پہنچی اور وہ اپنے اسی طرح ہل بیل اور علّے وغلیل میں مست رہے جس طرح وہ ابتک قدیم زمانہ سے رہتے چلے آتے تھے۔ ایک شہر اور دیہات میں اتنا فصل اور بعد ہوتا ہے اور پھر اس نئی روشنی کی تعلیم میں دیہات والوں کیلئے اپنی قدامت پسندی کے سبب کوئی کشش اور لبھاؤ بھی نہیں، جس سے یہ ممکن ہوتا کہ اگر انکے اپنے گاؤں میں تعلیم کے کوئیں نہیں کھودے گئے تو یہ علم کے پیاسے شہروں ہی کے پنگھٹ اور اندراوں پر اپنی پیاس بجھانے

چلے آتے۔ باوجود انگریزی حکومت کی اس برکت کے کہ ہندوستان میں ریلوں کا جال بچھ گیا ہے، اب بھی ہزاروں اور لاکھوں دیہات ملیں گے جہاں ریل کی سیٹی لوگوں کے کانوں تک نہیں پہونچی اور ریلوے لائنیں میلوں کے فاصلہ سے ان کے گاؤں سے گزر جاتی ہیں -

گزشتہ سوسوا سو سال کی مدت میں اگرچہ ریلوے لائنیں ہندوستان میں ۵ ہزار میل سے ترقی کرکے ۴۰ ہزار تک پہنچ گئی ہیں اور جیسا کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اتنے میل ریلیں سارے یورپ میں بھی نہیں ہیں لیکن باوجود اس کے کتنے گاؤں ایسے ہیں جن سے قریب سے قریب ترین ریلوے اسٹیشن کا فاصلہ ۲۵، ۴۰ میل سے بھی زیادہ ہے اور آج بھی بالعموم جب کسی گاؤں سے ہو کر ریل گزرتی ہے تو گاؤں والے اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر اس شوق اور حیرت سے اس دھوئیں کی گاڑی کو دیکھتے ہیں گویا ان کے یہاں سے وہ پہلی بار گزر رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس وسیع خطہ ارضی میں جس کا نام ہندوستان ہے، موجودہ ذرائع آمد و رفت نہ اس قدر کافی اور نہ اس قدر ارزاں ہیں جن سے دور کے مقامات کی درس گاہوں سے دیہات والے فائدہ اٹھا سکیں -

دوسری سب سے بڑی دقت رسم و رواج کی پابندی ہے۔ ہندوستان کی آبادی میں ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جس کے سایہ سے ہندو جاتی کے لوگ دور بھاگتے ہیں اور اسے "اچھوت" کے نفرت آمیز لقب سے یاد کرتے ہیں ان کی مجموعی تعداد کم و بیش ہندو آبادی کی ۱/۴ یعنی کوئی ۶ کرور کے قریب ہے - جنوبی ہند میں تو ان کے لئے مندر اور کنوئیں پر قدم رکھنا تو در کنار بعض شاہراہ عام پر چلنے کی بھی ممانعت ہے، پھر بھلا ان کے لئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی ایسی درس گاہ سے انھیں فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے گا جس میں ہندوؤں کی دوسری ذاتوں کے بچے بھی تعلیم پاتے ہیں۔ اس طرح ایک بڑی تعداد چھوت چھات کی اس مذہبی رسم نہیں بلکہ حقیقت میں غیر مذہبی رسم کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہتی ہے -

ایک اور بڑی وجہ یہاں کا عام افلاس ہے۔ نصف سے زیادہ آبادی ایسی ہے جو صرف ایک وقت کے کھانے پر بسر کرتی ہے اور ایسی تعداد تو بہت کم ہے جسے شکم سیر نہایت فراغت و اطمینان کے ساتھ روٹی میسر آتی ہو۔ پیٹ بھرنے کی طرح بعینہ یہی حال تن ڈھکنے کا بھی ہے۔ موسم کی ضرورت کے مطابق کپڑے کا میسر آنا اور اس پر خوش پوشاکی کا لحاظ ہونا، ایسے تو بہت کم ہیں جنھیں دونوں باتیں نصیب ہوتی ہوں پھر قدرت کی ایسی دو ضرورتوں میں یہ تنگی اور عدم گنجایش کے ہوتے ہوئے ان غریبوں سے یہ توقع بھلا کب ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بہتر سے بہتر تعلیم کا بھی خیال رکھیں گے - نہ صرف یہی کہ وہ بچے کے تعلیمی مصارف کی کفالت نہیں کر سکتے بلکہ خود بچہ جس کی ابھی اپنے پورے بلوغ اور رشد کو نہیں پہونچی کہ اسے اپنے والدین کی خدمت اور بسا اوقات خود اپنے اور اپنے متعلقین کی ضروریات کے واسطے چار پیسہ کمانے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے -

یہ ہیں چند اہم اسباب جو ہندوستان کی عام جہالت اور بے تعلیمی کے سب سے بڑے موجب ہیں - آیندہ نمبر میں ہم یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ یہ وجوہ کیونکر دور ہو سکتے ہیں اور ان کے دور کرنے کی کوششیں اب تک کہاں تک کی گئی ہیں اور وہ کس حد تک کامیاب یا ناکامیاب رہی ہیں -

تعلیمی دنیا

رفتار تعلیم

لائل پور (پنجاب) میں غیر سرکاری مدارس کی ایک کانفرنس بتاریخ ۲۳ فروری ۱۹۲۵ء منعقد ہوئی جس میں سردار اجّل سنگھ ممبر پنجاب کونسل نے اپنے خطبہ صدارت میں ان اعتراضات کا نہایت تفصیل سے جواب دیا جو غیر سرکاری تعلیم پر اکثر کئے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ گورنمنٹ باوجود کوشش کے اب تک ملک میں تعلیم کو بہت کم پھیلا سکی ہے اور ملکی تعلیم کا ایک بہت بڑا بار اب بھی غیر سرکاری تعلیم گاہوں ہی کے ذمہ ہے۔ فرقہ وارانہ جذبات غیر سرکاری مدارس کے طلبا میں دینی تعلیم دیئے جانے کی وجہ سے نہیں پیدا ہوتے ہیں بلکہ ان سرکاری مدارس کے پڑھنے والوں میں ہوتے ہیں جنھیں سرے سے اپنے مذہب کی صحیح واقفیت ہی نہیں ہوتی۔

"طلبائے سیلون کی انجمن" مقیم انگلستان نے ایک رزولیوشن کے ذریعہ یہ شکایت کی ہے کہ یہاں کی یونیورسٹیوں میں کالے رنگ کے طلبار کا داخلہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے اور ہر سال سینکڑوں طالبعلم واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت کوئی ۱۸۰۰ طلبار انگلستان کی مختلف تعلیمگاہوں میں تعلیم پا رہے ہیں، اس پر بھی اگر عدم گنجائش کے سبب انکار کر دیا جائے تو کیا بیجا ہے لیکن اصل سوال یہ ہے کہ لوگ اس کثرت سے ولایت جاتے ہی کیوں ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہاں کے سرکاری اور غیر سرکاری دونوں حلقوں میں ولایت کے پاس شدہ طلبار کی زیادہ قدر ہوتی ہے اگر ہندوستانی یونیورسٹیوں کے گریجویٹوں کی بھی وہی قدر ہو جو ولایت کے پاس شدہ کی تو پھر یہ دقت ہی نہ رہے۔ اصل معیار قابلیت ہونی چاہئے نہ کہ سند۔

سر پی سی رے نے "انجمن امداد باہمی" کی ایک کانفرنس میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح ان انجمنوں سے ہندوستان میں تعلیم پھیلانے کا ایک بہت مفید کام لیا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ لوگ اپنے منافع ایک محفوظ سرمایہ کی صورت میں جمع کریں اور اس کی آمدنی کو تعلیمی کام میں لائیں۔

کوائف جامعہ

دہلی میونسپلٹی نے جامعہ ملیہ کے مدرسہ شاخ واقع بارہ ٹوٹی کے لئے ۲۴۰ سو سالانہ کی ایک گرانٹ ایک عرصہ کے جھگڑے کے بعد منظور کی ہے جو اب مل گئی ہے۔ اس گرانٹ کی منظوری میں میونسپلٹی کے دوسرے مسلمان ممبروں کے علاوہ میر محمد حسین صاحب میونسپل کمشنر کی کوشش کو سب سے زیادہ دخل ہے جن کے ارکان جامعہ خاص طور سے ممنون ہیں۔ امید ہے کہ میر صاحب اور دوسرے بہی خواہ حضرات اسی طرح جامعہ کے کاموں میں وقتاً فوقتاً امداد پہونچاتے رہیں گے۔

۳ مارچ کو شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مہاتما گاندھی جی کے ہمراہ رنگون تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کا ارادہ ہے کہ جامعہ ملیہ سے ملحق جو ہائی اسکول وہاں ہے اس کا ایک بار پورے طور سے معائنہ کر آئیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی خیال ہے کہ وہاں مہاتما جی آپ کو جامعہ کے بعض ہمدردوں سے ملائیں کچھ ممکن ہے کہ جامعہ کی مدد کریں۔ آپ مارچ کے آخری ہفتہ میں لوٹیں گے۔

گزشتہ جمعہ سے "انجمن اتحاد" کے ماتحت **مولانا اسلم صاحب** جیراجپوری نے "حقائق قرآن" کے عنوان سے لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو ہر جمعہ کو ہوا کرے گا پہلا لیکچر تکوین عالم اور انسان و شیطان کی تخلیق پر نہایت سلجھے ہوئے خیالات پر مشتمل تھا جنھیں حاضرین نے نہایت شوق اور دلچسپی سے سنا۔

۲۵ فروری کو جامعہ کے ایک محسن خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب پانی پتی نے اپنے نئے مکان کی تعمیر ختم ہونے پر ایک تقریب منعقد کی جس میں آپ نے کاریگران راج اور مزدوران کو کپڑے اور روپیہ دینے کے علاوہ جامعہ کو بھی سو روپیہ کی ایک رقم عنایت فرمائی لیکن سب سے زیادہ قابل قدر وہ جذبات و خیالات ہیں جو آپ نے باچشم گریاں جامعہ اور شیخ الجامعہ کے ساتھ اپنی محبت اور تعلق کا اظہار کرتے ہوئے ظاہر فرمائے۔

مذہب

اچھی باتیں

(سلسلہ ۱۲ جنوری)

۲۱- برے لوگوں کی صحبت سے بچو، ورنہ تم بھی برے ہو جاؤ گے۔

۲۲- کسی بات پر غرور نہ کرو، ورنہ تمہاری ترقی رک جائے گی۔ اور لوگ تم سے نفرت کریں گے۔

۲۳- خوشامد اور چاپلوسی بہت ذلیل عادتیں ہیں ان سے بچو خوشامدی آدمی کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا لیکن کسی کی سچے دل سے خدمت کرنا یا شکریہ ادا کرنا خوشامد نہیں ہے۔

۲۴- وقت کی قدر کرو کیونکہ یہ بڑی بیش قیمت چیز ہے کھوئی ہوئی دولت ملسکتی ہے، گئی ہوئی صحت حاصل ہو سکتی ہے لیکن گزرا ہوا وقت کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔

۲۵- ہر کام کے لئے ضرورت کے موافق اوقات مقرر کر لو اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا کرو وقت کی پابندی تمام کاموں کو آسان بنا دیتی ہے۔

۲۶- آرام طلبی - کاہلی اور سستی سے بچو- یہ عادتیں آدمی کو کم زور اور ناکارہ بنا دیتی ہیں اور آنے والی مسرتوں کا خون کر دیتی ہیں۔

۲۷- اگر محتاجی سے بچنا چاہو تو سوال کرنا اپنے اوپر حرام کر لو- اگر تم کبھی کسی سے کوئی چیز نہ مانگو گے تو تمہارے پاس کبھی کسی چیز کی کمی نہ ہوگی۔

۲۸- وعدہ ایک طرح کا قرض ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے- جھوٹا وعدہ کرنا یا وعدہ کر کے بھول جانا بدترین عیب ہے جو کسی شریف انسان میں نہ ہونا چاہیئے۔

۲۹- مدرسہ میں ہمیشہ صاف کپڑے پہنکر جاؤ اگر ممکن ہو تو مدرسہ کے کپڑے الگ رکھو۔

۳۰- اوقات مدرسہ میں یا راستہ اور گلی میں کچھ کھانا سخت عیب ہے پنسل یا قلم کو منہ میں رکھنا بھی بہت برا ہے اور صحت کے لئے مضر ہے۔

۳۱- ناک ہاتھ سے نہ صاف کیا کرو، اور نہ آستین یا دامن سے پونچھو۔ یہ گندے اور بدتمیز لڑکوں کی عادت ہے۔

۳۲- زور سے کھنکھارنا یا قہقہہ لگا کر ہنسنا سخت بے ادبی ہے۔

۳۳- بڑوں کا ادب و احترام کرو اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آؤ۔

۳۴- اپنے استادوں اور بزرگوں کو ادب کے ساتھ سلام کیا کرو اور برابر والوں سے بھی سلام میں سبقت کرو- شریف گھر کے لڑکوں کا یہی دستور ہے

۳۵- اگر کوئی شخص کچھ لکھ یا پڑھ رہا ہو تو اس کی عبارت کی طرف نہ دیکھو' ایسا کرنا سخت بد تہذیبی ہے۔

۳۶- استادوں کا ہر وقت اور ہر جگہ ادب و لحاظ رکھو خواہ مدرسہ میں ہوں یا باہر۔

۳۷- اگر اساتذہ تم کو سزا دیں تو سر تسلیم خم کر دو کوئی اعتراض نہ کرو اور اپنے حق میں اسے مفید سمجھو- جس طرح کوئی ڈاکٹر یا حکیم اپنے کسی مریض کو کڑوی دوا دشمنی سے نہیں دیتا اسی طرح کوئی استاد بھی اپنے شاگرد کو دشمنی سے سزا نہیں دیتا۔

۳۸- اپنے ہم سبق لڑکوں اور ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر اور دوستانہ طریق سے رہو اور ان کو اپنا بھائی سمجھو۔

۳۹- جب کوئی بات سوچو یا کہو، یا کرو تو ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ تمہارے اوپر خدا ہے جو سب کچھ دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔

۴۰- مدرسہ یا دارالاقامہ کے قوانین کی پوری پابندی کرو- یہ تمہارے فائدے کے لئے بنائے گئے ہیں- اس سے آئندہ چل کر تم ایک اچھے شہری بنو گے۔

سلہ یہ باتیں جامعہ کے چھوٹے بچوں کے دارالاقامہ "خاکسار منزل" سے حاصل کی گئی ہیں جو وہاں کے نگراں صاحبان نے ان کے لئے مرتب کی ہیں۔
(ایڈیٹر)

سائنس

کرۂ ہوائی میں سفر

انسان کے دل میں یہ خیال قدیم زمانہ سے ہے کہ اس کائنات کی تمام اشیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور وہ سب پر حاکم کی حیثیت سے ہے لیکن اس کو بہت افسوس ہوتا تھا کہ پرندے جو بہت ہی حقیر مخلوق ہیں وہ ہوا میں اڑیں اور انسان جن کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے وہ زمین پہ چلیں پھریں۔ انسان نے زمین پر اپنا پہلے قبضہ کر لیا تھا۔ اور پھر اس نے بعد جہاز بنا کر پانی پر بھی قبضہ کر لیا اب اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ ہوا کو اپنا مطیع بنائے۔ زمانہ قدیم میں اس نے بہت کوششیں کیں لیکن سب ناکام رہیں۔ ایک بادشاہ نے تو یہاں تک کر لیا تھا کہ اپنے تخت کے ساتھ نہایت مضبوط پرندے لگائے۔ اور جب ان کو اڑایا تو وہ تخت کو لیکر اڑے لیکن اس کے بعد جو حشر ہوا ہوگا اسکا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد بعض لوگوں نے دیکھا کہ جب چیزیں جلتی ہیں تو ان میں سے ایک ایسی گیس پیدا ہوتی ہے کہ جو ہلکی ہلکی چیزوں کو اپنے ساتھ اوپر کو اڑا لیجاتی ہے ان کو یہ ابھی تک علم نہیں تھا کہ یہ کسی خاص گیس کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے تجربہ کے لئے کاغذ کے یا کپڑے کے غبارے بنائے اور اس میں چراغ جلا کر رکھ دیا جس سے اس غبارہ کے اندر کی ہوا گرم ہو کر ہلکی ہوئی اور وہ غبارہ اوپر اٹھنا شروع ہوا۔ اور ابھی تک اسکا رواج جاری ہے جو اکثر شادیوں میں ہم دیکھتے ہیں لیکن غبارہ میں بہت سی دقتیں تھیں یا تو بعض اوقات ہوا کے زور سے کپڑے یا کاغذ میں آگ لگجاتی یا چراغ تیل کی کمی کی وجہ سے گل ہو جاتا یا اور کسی وجہ سے یہ غبارہ تنی بلندی پر سے یکبارگی نیچے آجاتا تھا اس قسم کے غبارہ میں کسی نے سفر کرنے کی کوشش نہیں کی اس کے بعد جب ہائڈروجن گیس دریافت کی گئی اور یہ بھی معلوم کر لیا گیا کہ وہ معمولی ہوا سے ۱۴ گنا ہلکی ہوتی ہے تو بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا کہ اگر اس گیس کو غبارہ میں بھر دیا جائے تو انسان اس میں بیٹھکر بآسانی سفر کر سکتا ہے بعض لوگوں نے ایسا کیا اور ان میں سے اکثر کامیاب ہوئے۔

لیکن اس میں بھی بہت سی دقتیں تھیں کیونکہ ہائڈروجن گیس ایک جلنے والی گیس ہے جس سے اکثر ایسا ہوا کہ غبارہ میں آگ لگ گئی اور اس سے نقصان ہوا۔ دوسرے یہ کہ ہائڈروجن گیس کے ذریعہ غبارہ جوں جوں اوپر جاتا تھا ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا تھا اور اندر کی ہوا کا دباؤ زیادہ ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے غبارہ پھٹ جاتا تھا۔ اس دباؤ کو کم کرنے کے لئے لوگوں نے یہ کیا کہ اس میں ہائڈروجن کا جز نکالنا شروع کر دیا لیکن اس سے بھی یہ نقصان ہوا کہ غبارہ میں اڑنے کی طاقت کم ہونے لگی۔ لوگوں نے اسکا علاج یہ سوچا کہ ریت کی بوریاں اپنے ساتھ رکھ لیں اور جتنی ہائڈروجن نکالتے تنی ہی بوریاں نیچے گرا دیتے تھے۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ غبارہ کو جس طرف موڑنا چاہتے تھے اس طرف وہ نہیں مڑتا تھا بلکہ اس کا رخ ہمیشہ ایک ہی سمت میں رہتا تھا۔ اس دشواری کو انھوں نے اس طرح حل کیا کہ غبارہ کے ساتھ ایک موٹر لگائی جسکو (propeller) کہتے ہیں اس موٹر کے زور سے وہ غبارے کو جسطرف لیجانا چاہتے تھے، آسانی سے لیجا سکتے تھے پھر بھی اس کے علاوہ بہت سے نقص تھے جو ترقی میں حائل تھے اور اوپر بیان کی ہوئی دشواریاں بھی ابھی اچھی طرح حل نہیں ہوئی تھیں جس سے لوگوں کو اطمینان ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد اسی اصول کی بنا پر ایک فوجی افسر کاونٹ زیپن نامی نے ایک ہوائی جہاز بنایا اور اسے اپنے ہی نام سے موسوم کیا اس نے سب سے پہلے ایک غبارہ سگریٹ کی شکل کا بنایا اور اس میں کئی خانے ہائڈروجن گیس کے لئے رکھے تاکہ اگر ایک خانہ میں کسی وجہ سے سوراخ ہو جائے تو سارا جہاز یکبارگی زمین پر نہ آجائے اس کے نیچے اس نے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ اور اس کے نیچے ایک چھوٹی موٹر لگائی۔ یہ موجودہ ہوائی جہاز کی ابتدا ہے۔ اس کے بعد ہم بتائیں گے کہ کس طرح انسان نے اس فن میں رفتہ رفتہ ترقی کی اور آج یہ کہاں تک پہنچا ہے۔

تاریخ

ہربرٹ کلارک ہوور

(امریکہ کا ایک زاہد خشک صدر)

جمہوریت ماورائے بحر اٹلانٹک یعنی نئی دنیا کا ایک مردم خیز خطہ ہے جہاں کی سوسائٹی نے واشنگٹن جیسے جنرل و مدبر - ابراہیم لنکن جیسے حامی بنی نوع انسان - فرانکلن جیسے سائنس داں - وڈرو ولسن جیسے صلح کن مفکر و مقتدر ہستیوں کو اپنی آغوش میں پرورش دی - اس زمرہ میں ہربرٹ ہوور جدید جمہوریت ریاستہائے متحدہ امریکہ کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

ہربرٹ ہوور ماہ اگست سنہ ۱۸۷۴ء میں ریاست ایووہ میں پیدا ہوا تھا اس کا خاندان مشہور امریکن فرقہ کوئیکر سے تعلق رکھتا ہے جس کی ایثار نفسی اور ہمدردی بنی نوع انسان ضرب المثل ہے - اس کا باپ گاؤں کا ایک لوہار تھا -

اس کے بچپن کے حالات ہندوستان کے کسی انگریزی یا اردو اخبار میں مفصل نہیں دیئے گئے - بہر حال ایک آہنگر زادہ کی زندگی بھی کیا! صبح سے شام تک آہنگری کے ماحول میں زندگی بسر کرنا - نہ تعلیم نہ تربیت - ہاں ایک سبق جفاکشی کا جو اس کی آیندہ زندگی میں کام آنے والا تھا، اس نے ضرور حاصل کیا ہوگا - ہربرٹ صرف چھ سال کا تھا کہ اس کو یتیمی کا سامنا کرنا پڑا - اب بجز بیوہ ماں کے کوئی مونس و مددگار نہ رہا - لوہاری کا کام کون چلاتا - تین بچے وہ بھی کم عمر - اس غریب ماں نے اجرت پر کپڑے سی کر خاندان کی پرورش کی - مگر یہ شفقت مادری بھی زیادہ عرصہ تک قایم نہ رہی -

ہوور کوئی نو برس کا ہوگا کہ اس کی ماں بھی اس سے ہمیشہ کیواسطے جدا ہوگئی - اس وقت مولانا حالی کا ایک جملہ یاد آتا ہے -

"یتیمی اور بے پدری اگرچہ اکثر صورتوں میں آوارگی اور بربادی کا سبب ہوتی ہیں - لیکن بسا اوقات ایسی مجبوری اور بے بسی کی حالت میں غربت منداور جفاکش لڑکوں کے حق میں ترقی اور رشد کا باعث ہوجاتی ہیں"

(حیات سعدی رحمۃ)

اس حادثہ کے بعد یتیم و بیسیر ہوور اپنے ماموں کے ساتھ رہا - کسب معیشت سے ؟ اس کے گھوڑے کو ملتا دلتا - گھر کا سودا سلف لاتا - اور اس صلہ میں اس کو کھانا کپڑا ملتا اسکا ایک سکول میں نام لکھا دیا گیا تھا مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" پے درپے حوادث زمانہ کی وجہ سے شاید ہوور کو اس بات کا احساس ہوا ہوگا کہ اس کی آیندہ زندگی کی کامیابی استقلال اور جفاکشی پر مبنی ہے - ماموں کے یہاں دوران قیام میں باوجود مجبوری و بیکسی کے اس نے اپنی تعلیمی استعداد بڑھائی - سنہ ۱۸۹۱ء میں اسٹین فورڈ یونیورسٹی (ریاست کیلیفورنیا) میں داخل ہوا تو ہوور کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ یونیورسٹی کے اخراجات اٹھا سکتا اور نہ اسکا ماموں اس کی نئی زندگی کے اخراجات کا کفیل ہوسکتا تھا - بہرحال ہوور کو کوئی نہ کوئی صورت اپنے شوق کو پورا کرنے کی نکالنی تھی - وہ صورت یہ تھی کہ خالی اوقات میں وہ ایک کارخانہ پارچہ شوئی کی مینجری کرتا - اور صبح کو اخبار فروخت کرتا اس کے پروفیسر نے اس کی ہمت جفاکشی اور دلی شوق کی یوں داد دی کہ اس کو کلرکی کا کام سپرد کردیا -

آہنگر زادہ قدرتاً و فطرتاً کس شعبہ تعلیم سے دلچسپی لے سکتا تھا؟ - اس کے اوائل عمر کے ماحول نے اس کو معدنیات کی طرف مائل کیا - چنانچہ یونیورسٹی میں اس کا خاص مضمون "معدنیات" تھا - چار سال کی تعلیم کے بعد اس نے سنہ ۱۸۹۵ء میں ماہر معدنیات کی سند حاصل کی - بعد تکمیل تعلیم وہ مغربی ریاستہائے امریکہ میں انجنیر کی خدمات انجام دیتا رہا - سنہ ۱۸۹۷ء میں وہ اسٹریلیا قسمت آزمائی کی غرض سے روانہ ہوا - دو سال گزرے ہوں گے کہ مشہور چینی لی ہنگ چنگ نے ہوور کو ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ پر سلطنت چین کے محکمہ معدنیات کا ڈائرکٹر جنرل مقرر کردیا - اور اس کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایفونیونکے ملک کی زیر زمین مدفون دولت کی تحقیقات کرے - اور ان کے

... عمل کرنے کے ذریعے عمل میں لائے - شورش بوکسر کے زمانہ میں اس نے تین تین کی مدافعت میں حصہ لیا - خواہ شورشش کی وجہ سے یا کوئی اور وجہ ہو وہ ڈائریکٹری کے عہدے سے دست بردار ہو گیا - اور ایک انگریزی فرم سے کاروبار شروع کردیا - سنہ ۱۹۰۱ء میں وہ اپنے وطن گیا اور وہاں سے آکر لندن کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا - اس کا دائرہ عمل دنیا کے دونوں کروں میں تھا - اس نے ریاستہائے متحدہ امریکہ، انگلستان، میکسیکو، روس، ہندوستان، اور چین میں متعدد حرفتی کارخانے قایم کئے - آج وہی بے یار و مددگار رہنے والا ہوور صدر جمہوریت امریکہ ہے -

سیاسی خدمات

ہوور کے سیاسی کارنامے سنہ ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ سے شروع ہوتے ہیں - وہ دوران جنگ میں بلجیم گیا - اور وہاں بلجیم ریلیف کمیشن کو منظم کرکے جرمن صفوں کے عقب میں رہ کر بلجیمین باشندوں کی خوراک رسانی کا سلسلہ اس خوبی کے ساتھ قایم کیا کہ ریاستہائے متحدہ کی جنگ میں داخلہ کے بعد بھی وہ اس کمیشن کا چیرمین رہا - گو ایسی صورت میں کسی اور غیر جانب دار ملک کے افسر کو یہ کام اپنے تحت میں لینا چاہئے تھا - اس کے بعد وہ انجمن تحفظ قومی کے ریاستہائے متحدہ کے کمیشن خوراک کا چیرمین مقرر ہوا - اور بہت جلد متحدہ امریکہ کا منتظم رسدرساں مقرر کر دیا گیا - اس کے علاوہ امریکن اور اتحادیوں کے محکمہ بہم رسانی خوراک کا چیرمین رہا - اور دونوں کاموں کو نہایت خوش اسلوبی سے تا تکمیل صلحنامہ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء انجام دیتا رہا - سنہ ۱۹۲۱ء کے موسم خزاں میں اس نے ملک روس میں امدادی کام شروع کیا - مگر اس شرط پر کہ حکومت روس امریکن قیدیوں کو رہا کر دے سنہ ۱۹۲۰ء میں اس نے مسٹر ہارڈنگ کے مقابلہ میں عہدہ صدر کے واسطے بہت کچھ جد و جہد کی مگر سیاسی شاطروں کے ساتھ سے اس کو بری طرح شکست ہوئی - گو اس کی خدمات سابقہ کے صلے میں مسٹر ہارڈنگ نے بعد اپنی کامیابی کے مسٹر ہوور کو تجارت کا قلمدان وزارت سپرد کیا - مسٹر کولیج نے بھی جو سنہ ۱۹۲۴ء میں بعد انتقال مسٹر ہارڈنگ صدر منتخب ہوئے مسٹر ہوور کو اسی عہدہ پر برقرار رکھا چنانچہ سنہ ۱۹۲۸ء کے انتخابات میں مسٹر ہوور کے رقیب مسٹر ال اسمتھ تھے جو اتنے بھی لائق و فائق نہیں جتنا کہ مسٹر ہوور - مگر کامیابی کا سہرا مسٹر ہوور کے سر رہا -

مسٹر ہوور شراب کے قطعی خلاف ہیں اور ان کی کوشش یہ ہے کہ امریکن سوسائٹی سے اس کا صحیح معنوں میں انسداد کر دیا جائے

چھوڑ دیا تھا لیکن نظر میں دونوں کی لگی ہوتیں اور دونوں قوموں میں ایک عرصہ تک برابر چشمک رہی - انجام کار انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور وہ جائز یا ناجائز طریقہ پر ملک مصر کے مالک بن گئے -

لیکن افریقہ صرف ملک مصر ہی کا نام نہیں ہے بلکہ - تو اسکا ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہے - اس براعظم کا تمام وسطی اور جنوبی حصہ کیونکر دریافت ہوا اور اس پر کن کن قوموں کا قبضہ ہوا ہے افریقہ کے دریافت ہونیکا ذکر اور اس کے دریافت کرنیوالوں کے حالات مختصراً ہم گزشتہ دو نمبروں میں لکھ چکے ہیں - اب ہم صرف یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ان حصوں پر کن کن ملکوں کا قبضہ ہے - غلاموں کی تجارت ہاتھی دانت اور ربر کی پیداوار ایسی چیزیں تھیں جن سے باہر کی قوموں کو یہاں انکا لالچ پیدا ہوا اور انھیں چیزوں کی وجہ سے آج ایک ملک پر مختلف رنگوں اور نمونوں کے بیسیوں جھنڈے نظر آتے ہیں -

سب سے پہلے ملک مصر کو لو جس پر آج کل مصری جھنڈا مع ہلال اور تاروں کے لہراتا ہے، طرابلس پر اطالوی جھنڈا ہے - تونس اور الجزائر فرانسیسی علم کے تحت ہے - مراکش کا اپنا جھنڈا ہے جو ایک کافی وسیع خطہ پر لہرا رہا ہے - اسی سے آگے جبل طارق آتا ہے جہاں برطانوی پھریرا سمندر کی ہوائیں لے رہا ہے "صحرائے اعظم" کے مغربی ساحل کی ایک پتلی پٹی پر اسپینی علم نصب ہے اور اس کے آس پاس یورپ کی دوسری قوموں کے مقبوضات ہیں - اس سے جنوب میں کانگو کا وسیع علاقہ آتا ہے جو بلجیم جیسی چھوٹی سی حکومت کے ماتحت ہے - پھر جرمنی کا مشرقی افریقہ کا علاقہ پڑتا ہے اور اس کے بعد پرتگالیوں کا انگولا کا حصہ آتا ہے - جرمنی کا ایک اور علاقہ جنوب و مغربی افریقہ کے نام سے بھی موسوم ہے - اس طرح غرض اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے علاقے ہیں جو یورپ کی انھی قوموں کے ماتحت ہیں اور جن پر انھی میں سے کسی نہ کسی کا پھریرا لہرا رہا ہے -

جغرافیہ

افریقہ پر دوسری قوموں کا قبضہ

افریقہ کا ملک ایک بہت بڑا ملک ہے اور رقبہ میں یورپ کے تین گنے کے برابر ہے۔ اس کے رقبہ کا ⅓ حصہ دنیا کے سب سے بڑے ریتیلے میدان سے ڈھکا ہوا ہے جسے "صحرائے اعظم" کہتے ہیں، بڑے بڑے دریا اس ملک میں ہزاروں میل کے راستے طے کر کے سمندر میں گرتے ہیں۔ اس ملک کا آفتاب لاکھوں سیاہ فام اور کالی رنگت کے انسانوں، ہزاروں عربوں اور اہل یورپ کی بڑھتی ہوئی ایک کثیر آبادی پر چمکتا ہے۔ طرح طرح اور رنگ برنگ کے چرند و پرند جو آج دنیا کے اکثر بڑے بڑے عجائب خانوں کی زیب و زینت ہیں، وہ سب اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ ہاتھی اس ملک کا سب سے اہم اور مفید جانور ہے جس کے دانتوں کی بدولت اس ملک پر کتنی قوموں کے دانت عرصہ تک لگے رہے۔ یہاں نہایت گھنے جنگل بھی ہیں جن میں دن رات کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ انھی جنگلوں میں ربر کے درخت بھی ہیں جو یورپین قوموں کی وابستگی اور تعلق کا باعث بھی رہے ہیں۔ ان چیزوں کے علاوہ یہاں کے انسان بھی دنیا کی بعض دوسری قوموں کے لئے خرید و آزار کا موجب رہے ہیں اور ایک عرصہ تک عرب تاجر حبش اور دیگر حصوں سے غلام پکڑ پکڑ کر دنیا کے دوسرے حصوں میں لیجا کر بیچا کرتے تھے۔ غرض یہاں کے ہاتھی دانت، ربر اور غلام ان تین چیزوں نے اس ملک کی قسمت کے پھیر بدل میں بہت حصہ لیا ہے۔

افریقہ کا نقشہ جیسا اس وقت نظر آ رہا ہے، ویسا پہلے نہیں تھا۔ پہلے صرف شمالی حصہ معلوم تھا جو مشرق میں نہر سوئز کی طرف ایشیا سے ملا ہوا تھا اور مغرب میں جبل طارق کے ذریعہ یورپ سے۔ اس جغرافیائی تعلق کی وجہ سے بڑی بڑی قومیں بڑے بڑے فاتحین ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے رہے اور ملک مصر اور صحرائے اعظم کی شمالی پٹی ان کی شاہراہ تھی۔

ساتویں صدی عیسوی میں اس ملک مصر پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا لیکن دس ہی سال کے بعد ان کو اپنا قبضہ اٹھانا پڑا۔ اس زمانہ میں یہاں عیسائی مذہب کے لوگ رہتے تھے جن پر طرح طرح کی سختیاں اور ظلم ہوتے تھے۔ اس کے بعد اس ملک پر خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کا حملہ ہوا اور وہ بے تکان تمام شمالی علاقہ فتح کرتے گئے۔ ان کے زمانہ میں یہاں کے قبطی عیسائیوں کو ایسا امن و آرام ملا کہ اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں صلاح الدین ایوبی کا زمانہ آیا۔ ان کے عہد میں ملک کی بہت ترقی ہوئی۔ شہر قاہرہ جو ملک مصر کا دارالسلطنت ہے فصیلوں سے محفوظ کر دیا گیا۔ دریائے نیل کے سالانہ سیلاب کو روک کر اس کے پانی کو مناسب طور سے استعمال کئے جانے کا انتظام کیا گیا۔ پھر اس کے بعد مملوکوں کی حکومت قائم ہوئی جنھوں نے متعدد عمدہ اور خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ سولھویں صدی میں ترکوں نے ملک مصر پر اپنا قبضہ جمایا اور ایک عرصہ تک اس پر حکومت کرتے رہے۔ ان کے زمانہ میں ملک مصر بہت کچھ غریب ہو گیا اس لئے کہ اب تک مصر کا سب سے مشہور بندرگاہ اور بڑا تجارتی مرکز اسکندریہ تھا، ترکوں کے زمانہ میں یہ حیثیت قسطنطنیہ کو حاصل رہی جس کی وجہ سے مصر کی تمام دولت کھنچ کر ترکی چلی گئی۔

مشکل سے دو سو برس گزرے ہوں گے کہ فرانس میں ایک عظیم الشان انقلاب شروع ہوا اور فرانسیسی افواج کا سالار اعظم نپولین ہندوستان میں اپنے حریف انگریزوں کو شکست دینے کے لئے ملک مصر پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھنے لگا۔ چنانچہ اس نے مصر پر چڑھائی کر دی لیکن انگریزی جنرل نلسن کے ہاتھوں اسے دریائے نیل پر ایسی شکست ہوئی کہ اسے مجبوراً مصر چھوڑنا ہی پڑا۔ انگریزوں نے بھی اس وقت ملک مصر پر قبضہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور مصر اس کے بعد سے محمد علی پاشا نامی ایک مشہور حکمراں کے قبضہ میں رہا جس نے یہاں کے لوگوں پر بڑی مصیبتیں ڈھائیں دریائے نیل کی جنگ میں اگرچہ مصر کو فرانسیسیوں اور انگریزوں دونوں نے

(بقیہ صفحہ ۶۹ پر)

قصہ کہانی

وانگ شو

جس زمانہ میں ملک چین میں شہنشاہ ماٹی اعظم حکمران تھا اسوقت وہاں ایک مشہور حکیم وانگ شو، رہتا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے اور اس موسم میں آسمان بالکل صاف تھا سورج بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس وسیع مملکت کو دن بھر گرم اور روشن بنائے رکھتا تھا۔ ٹھیک اسی موسم میں یہ مشہور عطار ایک پہاڑی پر ایک خاص جڑی کی تلاش میں علی الصباح روانہ ہوا۔ اس پہاڑی کے کنارے ایک عمدہ چشمہ تھا جو جگہ اور آس پاس کی خوبی کے اعتبار سے جنت کی نہر کے مشابہ تھا۔ اس چشمہ کے ایک جانب سبزہ سے لدی ہوئی ایک پہاڑی تھی اور دوسری جانب گویا سبز قالین کا فرش بچھا ہوا تھا۔ یہ مقام اپنی شادابی میں بے نظیر تھا۔ یہاں پر اس سبزہ زار میں ہزاروں قسم کی قیمتی اور نایاب جڑی بوٹیاں تھیں اور عطار کا خیال تھا کہ جس جڑی کی اسے ضرورت ہے وہ بھی یہیں پر ضرور ملے گی۔

چنانچہ وانگ شو اس جڑی کی تلاش میں سرگرداں چشمہ کے کنارے کنارے دور تک نکل گیا۔ گھاس میں جڑی ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کی آنکھیں تھک گئیں اور زمین پر جھکے جھکے پھرتے اس کی کمر دُکھ گئی اور اس حالت میں گھنٹوں گذر گئے۔ اب صبح سے دوپہر ہوچکا تھا۔ آفتاب اپنی پوری بلندی پر تھا۔ ایک تو تکان، دوسرے بھوک پھر یہ تمازت آفتاب۔ غریب وانگ شو چور چور ہوکر اب آرام کی تلاش کے لئے مجبور ہوا۔

ایک گھنے املی کے درخت کے نیچے جو نہایت سایہ دار اور آرام دہ مقام نظر آرہا تھا، وہ بیٹھ گیا۔ درخت سے دو تین قدم پر ایک آبشار تھا۔ پہاڑی پر پانی کا کوئی نامعلوم سوتہ تھا جس میں سے یہ شفاف پانی ایک دھیمی اور سریلی آواز کے ساتھ چشمہ میں گر رہا تھا وانگ شو نے پہلے تو اپنے ناشتہ دان کو کھولا اور منہ ہاتھ دھوکر دال بھات کو نہایت لطف اور مزے سے کھایا۔ ایک تو بھوک دوسرے یہ فرحت افزا مقام۔ اس کھانے میں اسے عجیب ہی لذت ملی۔ آبشار کا یہ قدرتی نغمہ بھلا بینڈوں کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے۔ بجلی کے پنکھے اس کوہسار کے خوشگوار اور ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں کی کیا ہمسری کرسکتے ہیں۔ مصنوعی فواروں میں بھلا یہ بات کہاں جو پانی کے اس بہنے اور گرنے میں تھی۔ غرض یہ کہ وانگ شو ان خداداد نعمتوں کو دیکھکر بے ساختہ سجدۂ شکر کے لئے زمین پر گر پڑا۔

اس سے جب وہ فارغ ہوا تو اس خیال سے کہ ذرا کچھ دیر آرام کرلوں وہ وہیں اس ہرے مخملی فرش پر لیٹ رہا۔ پانچ چھ گھنٹے کی محنت اور مشقت کے بعد چین ملا تھا۔ لیٹے لیٹے اسے نیند آنے لگی اور آنکھیں جھپکنے لگیں۔ نگاہ چشمہ کی طرف تھی اور آنکھیں نیم وا۔ دیکھتے دیکھتے اچانک چشمہ کے پانی پر اس کی ٹکٹکی بندھ گئی دیکھتا کیا ہے کہ ایک سیاہ فام لڑکا ایک چھوٹی سی چٹان کے گرد کھڑا نیچے کی جانب کسی چیز کو بغور دیکھ رہا ہے۔

اس لڑکے کا قد کوئی ہاتھ بھر کا ہوگا۔ رنگ نہایت نیلگوں تھا البتہ چہرہ اور ہاتھوں کا رنگ کچھ ہلکا تھا۔ لباس بھی نیلگوں ہی تھا۔ آنکھیں نیلم کی طرح چمک رہی تھیں اور ہر نگاہ میں طرح طرح کے رنگ بدلتی تھیں۔ کچھ دیر تو یہ لڑکا اسی طرح نیچے کی جانب غور سے دیکھتا رہا پھر غائب ہوگیا۔ اس کے غائب ہونے پر وانگ شو کو خیال ہوا کہ ممکن ہے میں خواب دیکھ رہا ہوں یا میری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہو۔ یہ سوچکر اس نے اپنی آنکھوں کو ملا اور پھر چشمہ کی طرف نگاہ ڈالی لیکن اس نے اسے پھر بدستور اسی جگہ موجود پایا۔ اب کی بار وہ ایک سرخ مچھلی کی پشت پر سوار نظر آیا اور اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چابک بھی تھا تین دفعہ پہلے تو اس مچھلی نے چشمہ پر

اور کھیلوں کے کرتب دکھلا رہے تھے اس کے بعد پھر ادپر کو اٹھنے لگی۔ لیکن مچھلی کی کسی جنبش اور حرکت سے کسی قسم کا شور یا آواز نہ پیدا ہوئی۔ جو سناٹے کا عالم قائم تھا وہ بدستور رہا۔ لڑکے کے بائیں ہاتھ میں ایک لگام کی ڈور تھی جو مچھلی کے منہ میں بالکل اسی طرح لگی ہوئی تھی جیسی تم گھوڑوں کے لگی ہوئی دیکھتے ہو۔ اس لگام کے اشارہ پر یہ مچھلی ادہر ادہر مڑتی تھی۔ غرض یہ کہ یہ مچھلی بلند ہوتے ہوتے درخت سے بھی اونچی ہوگئی۔ جب لڑکے کے جسم پر سورج کی کرنیں پڑتیں تو وہ ہیرے کی طرح دمکتا اور مچھلی کا ہر چھلکا آگ کے انگاروں کی طرح دہکنے لگتا۔ جب یہ لڑکا اتنی سے اونچا ہوگیا تو وانگ شو کو تعجب کے ساتھ کچھ خوف اور دہشت بھی معلوم ہونے لگی۔ اور اس ڈر سے کہ کہیں اسے کوئی نقصان نہ پہونچے وہ ایک جھاڑی میں جو املی کے تنا ور درخت سے ملحق تھی جا چھپا۔ اور یہاں سے وہ اس نیلگوں لڑکے اور سرخ مچھلی کے تعجب خیز نظارے کو دیکھتا رہا۔

اس نے دیکھا کہ نیلگوں لڑکا اپنی دھن میں سرخ مچھلی پر ہوا میں بلند ہوتا جا رہا ہے اور اب وہ اسقدر چھوٹا نظر آنے لگا تھا جتنی کہ ایک مکھی۔ اس نے دیکھا کہ نیلگوں لڑکے نے اپنی مچھلی کو مشرق کی جانب موڑ دیا اور اس رخ پر بلند ہوتے ہوتے ایک بادل سے لگ گیا اور پھر اسی میں غائب ہوگیا۔

لڑکے اور مچھلی کے غائب ہو جانے پر اس کا خوف کچھ کم ہوا اور وہ جھاڑی سے نکلکر پھر اپنی مطلوبہ جڑی کی تلاش میں مصروف ہوگیا۔ اب کی بار وانگ شو بجائے چشمہ کے کنارے سبزہ زار میں تلاش کرنے کے پہاڑی پر چڑھ گیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ گیا لیکن جڑی نہ ملنی تھی نہ ملی اسی تگ و دو میں پہاڑی کی چوٹی کے ایک جانب ایک کنوئیں پر جا نکلا جو اس چشمہ کا اصل سرچشمہ تھا۔ یہاں کھڑے ہوکر اس نے ادہر ادہر نگاہ دوڑائی تو اس کو پھر وہی نیلگوں لڑکا سرخ مچھلی پر سوار نظر آیا۔ لیکن ابکے اس نے ایک عجیب بات دیکھی کہ زرد اور سیاہ رنگ کے بادلوں کے چھپر چشمہ کے اوپر چھائے ہوئے ہیں۔ اور مشرق کی جانب بڑے زور شور سے آندھی اور پانی کا ایک

طوفان آرہا ہے۔ ساتھ ہی بجلی بھی چمکتی جا رہی ہے اور سرخ مچھلی کی پشت پر بجائے اس نیلگوں لڑکے کے ایک مہیب جن سوار ہے، جو رفتہ رفتہ جسم اور قد میں بڑھتا جا رہا ہے۔ اس خوف ناک نظارہ کے ساتھ اس نے دیکھا کہ تمام فضا پر تاریکی چھا رہی ہے اور رفتہ رفتہ سناٹا ہیبت ناک ہوتا جا رہا ہے۔ وانگ شو اس حالت کو دیکھکر بہت ہی خوف زدہ ہوا۔ یہ ماجرا اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا تھا اور جوں جوں وحشت خیز اور خوف ناک نظارے بڑھتے جا رہے تھے ویسے ویسے اس کے قوی دل کی دھڑکن اور اضطراب بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ اور جب بجلی کی چمک سے اس نے سیاہ بادل کی تاریکی میں سرخ ماہی سوار کو دیکھا تو اس کے خوف اور ہراس میں اور بھی اضافہ ہوا کیونکہ یہ نیلگوں لڑکا حقیقت میں مشہور بادشاہ جن کائیوا نامی تھا۔ جو اپنے سفید سفید آرے جیسے دانت نکالے لال لال خوف ناک انگاروں جیسی آنکھیں دکھائے اور سرخ خونی زبان نکالے غصہ سے سرخ اس غریب وانگ شو پر اپنے عتاب کا اظہار کر رہا تھا۔

وانگ شو نے اپنے دل میں کہا کہ ہائے افسوس اب جان کی خیر نہیں! میں نے اس کم بخت کائیوا کو نیلگوں لڑکے کی شکل میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کا انتقام وہ ضرور لے گا۔ افسوس صد افسوس! آج میری موت مجھے یہاں لے آئی اور اب میں اس بیکسی اور لاچاری کی حالت میں اس موذی دیو کے ہاتھوں نندا ہوجاؤں گا . . . ."

وانگ شو ابھی یاس انگیز اور الم افزا خیالات کے تلاطم میں گرفتار تھا کہ یکایک اس کی ہمت اور جرأت نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ عقل نے راستہ دکھایا۔ اور وہ نہایت پھرتی سے ایک پرانے درخت کے تنے میں جو کھوکھلا ہو رہا تھا، گھسکر چھپ رہا۔

اس کے لئے حقیقت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ دشمن اس سے بدرجہا قوی تھا اور اس سے مقابلہ کرنا ایک فعل عبث تھا بجز اس کے کہ کسی طرح پر اپنے آپ کو اس سے بچائے اس کے لئے کوئی مفر ہی نہ تھا۔ اس نے سوچا کہ یوں بے دست و پا بنکر جان دیدینا انسان کا شیوہ نہیں۔ اپنی جان بچانا اور اپنے آپ کو بلا اور مصیبت سے محفوظ رکھنے کی تدبیر کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ انھی خیالات

نے اسے دولت دلائی اور وہ اس طرح اس بلا سے چھپ گیا۔

کاتو وا چین کے جتنے دیو تھے ان سب کا سردار تھا اور ان کا حکم تمام دیوؤں پر جاری تھا۔ یہ مختلف صورتوں اور مختلف شکلوں میں سبزہ زاروں، کوہساروں اور ویرانوں کی سیریں کیا کرتا تھا اور اگر کسی انسان کی نظر اس پر پڑ جاتی تو اس پر غصہ و عتاب کا اظہار کرتا اور اپنے منہ سے شعلے پھینک پھینک کر اسے جلا ڈالتا۔ اس طرح خدا معلوم کتنی بستیاں جل کر خاک ہو چکی تھیں۔ اور اگر کاتو وا ایسا نہ کرتا تو انسان کی نظر خود اس کے لئے تباہی تھی۔ انسان کی نظر کا انتقام نہ لینے کی صورت میں خود اس کو اپنی موت کا خطرہ تھا۔

جب وانگ شو درخت کی جڑ میں گھس کر بیٹھ گیا اور اس طرح کاتو وا کی نظروں اور اس کے شعلوں اور باد و باراں کے طوفان سے محفوظ ہو گیا تو اس نے اطمینان کا ایک سانس کھینچا اور اس کو اب اس بات کی خوشی ہونے لگی کہ اس طرح اگر کاتو وا اپنے انتقام میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس کی موت یقینی ہے اور اس طرح تمام بنی نوع انسان اس مصیبت سے نجات پا جائے گی۔

خدا بندہ کی نیت دیکھتا ہے۔ وانگ شو کو اپنے بھائیوں کا درد تھا اور خیال۔ وہ صرف اپنی ہی جان نہیں بچا رہا تھا بلکہ اپنے اپنے وطن کے اس بڑے خطرہ کو ہمیشہ کے لئے دور کر رہا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو اس طریقہ پر نجات دیدی۔

طوفان آیا اور بہت ہی زوروں کا۔ مینہ بھی برسا۔ اس کے شور سے تمام کوہسار گونج اٹھا۔ چشمہ ابل پڑا۔ بجلیاں چمکیں۔ گھٹائیں جھوم جھوم کر چھائیں۔ کاتو وا کے منہ سے آگ کے شعلے نکلے لیکن بالآخر ایک تھوڑے عرصہ کے بعد طوفان بھی رک گیا۔ بارش بھی تھم گئی۔ تاریکی سے فضا صاف ہو گئی۔ چشمہ بھی اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور کاتو وا کی تلاش خود جل کر راکھ ہو گئی۔

جب وانگ شو کو طوفان و بارش کی صدا نہ سنائی دی تو اس نے جھانک کر پہلے اپنا اطمینان کیا اور پھر خدا کا شکر ادا کرتا ہوا درخت کی کھوہ سے باہر نکلا۔ جلدی جلدی پہاڑی سے اترا اور اس جگہ جہاں اس منحوس صورت نیلگوں لڑکے کو دیکھا تھا

جب پہنچا تو چشمہ کے کنارے جہاں سے یہ سرخ بالوں والا بچہ برآمد ہوا تھا، راکھ کا ڈھیر پایا اور اس راکھ پر ایک بوٹی اگی ہوئی دیکھی۔ نہایت احتیاط اور مسرت کے ساتھ وانگ شو نے اس جڑی کو اکھاڑ لیا اور اگرچہ اسے اپنی مطلوبہ جڑی کی دستیابی میں ناکامی رہی تھی لیکن وہ محض کاتو وا کی موت پر خوش خوش اور اس بوٹی ہی پر قانع ہو کر گھر واپس آیا۔

گاؤں کو اس نے اپنی برادری میں اور اپنے ابنائے وطن کو کاتو وا کی موت کی خوش خبری اور اپنی مہم کی داستان سنائی۔ سب نے اس کی بہت ہی تعریف کی اور اس کی ہمت و جوانمردی کی داد دی۔

شدہ شدہ شہنشاہ کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ بادشاہ کی ایک ہی اکلوتی لڑکی تھی جو اسے بہت محبوب تھی اور وہی اس کے بعد تخت و تاج کی حقیقی وارث تھی۔ لیکن یہ لڑکی اکثر بیمار رہا کرتی تھی اور اسے آسیب کا دخل تھا۔ شاہی اطبا سب جواب دے چکے تھے۔ اور خود شاہنشاہ بھی اپنی لڑکی کی شفایابی سے مایوس ہو چکا تھا۔ حالانکہ شاہنشاہ اس کے علاج کے معاوضہ کے لئے یہ اعلان کر چکا تھا کہ جو کوئی اسے اچھا کر دے گا اس کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائے گی اور وہی اس کے بعد پھر تخت و تاج کا بھی مالک ہوگا۔

شاہی طبیبوں نے تجویز کیا تھا کہ جب تک کاتو وا کی موت واقع نہ ہو گی اور اس کی راکھ کی بوٹی سے معجون بنا کر اسے استعمال نہ کرائی جائیگی اسوقت تک یہ آسیب دور نہ ہوگا۔

اب جو شاہنشاہ کو اسکی اطلاع ملی تو فوراً وانگ شو کو طلب کیا جب وانگ شو اس کے پاس آیا تو وہ بڑی خاطر و مدارات سے اسکے ساتھ پیش آیا۔ پہلے تو سارا ماجرا وانگ شو کی مہم کا اسکی زبانی سنا اور پھر اپنی لڑکی کے علاج کیلئے کہا۔ وانگ شو نے شاہزادی کے لئے اسی بوٹی کی معجون تیار کر دی جس کے استعمال سے وہ تین روز میں شفایاب ہو گئی۔ حسب وعدہ پھر شاہنشاہ نے وانگ شو سے اپنی شاہزادی کا بیاہ کر دیا اور اس طرح وانگ شو عطاء سے ولی عہد حکومت اور حق دار تخت و تاج ہو گیا۔

انعامی معمّہ

	۲۴	۶	۵	■		۳	۴	۱
		۷	■	۸	■			۲
	۱۲	■			۹	■		
■	■	۱۰	■		■	۱۴	■	■
■	۱۰		۱۱	■			۱۳	■
۲۰	■		■	۱۵	■		■	۱۶
	■	■			۲۳	■	■	
		۲۱	■		■			۱۹
			۲۲	■				۸

دائیں سے بائیں:-

۱- ایک سیّال چیز۔
۲- ایک پھل۔
۵- ایک رشتہ دار۔
۷- ایک پرند۔
۹- مریض کی تسلّی کیلئے کھلانے کی ایک چیز۔
۱۱- مذہبی کتاب۔
۱۲- ایک اناج کی قسم۔
۱۳- ایک محرم۔
۱۸- کنکر کی ایک قسم۔
۱۹- ایک کھیل۔
۲۱- بیماری۔
۲۲- اُردو زبان کا ایک شعبہ
۲۳- صیغۂ امر۔

اُوپر سے نیچے:-

۱- گناہ
۳- ایک ہندسہ۔
۴- کھانے کی ایک چیز۔
۶- ایک پھل۔
۸- ایک پرند۔
۱۰- ایک پرند۔
۱۴- ایک نمبی چیز۔
۱۵- عمارت تعمیل کرنے کا ایک مسالہ۔
۱۶- ایک قوم۔
۲۰- دیوانہ۔
۲۱- کو۔
۲۴- ایک نقطہ۔
۲۵- صیغۂ امر۔

ہدایات

(۱) اس معمّہ کا حل تاریخ اشاعت سے پندرہ روز کے اندر آنا چاہیئے۔
(۲) ہر ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ ملفوف ہو۔
(۳) ایک سے زائد حل کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔
(۴) اول انعام میں تین روپیہ کی ایک عمدہ کتاب دی جائے گی۔ تمام حل حسب ذیل پتہ پر آنا چاہیئے۔

محمد اسمٰعیل معرفت حاجی محبوب بخش حاجی محمد رفیع الدین ہوزایری مرچنٹ صدر بازار دہلی

سلسلہ اردو اکادمی

تاریخ الامت - مصنفہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری - تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ صحیح تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اردو میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے اس کے مطالعہ سے ہر شخص نہایت آسانی سے مسلمانوں کے تاریخی کارناموں سے واقف ہو سکتا ہے - جامعہ ملیہ اور صوبہ متوسط و برار کے محکمہ تعلیم نے اسے اپنے مدارس کے لئے بھی پسند کیا ہے - اب تک چھ حصے شائع ہو چکے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

۱- حصہ اول - سیرۃ الرسول ... ... عہ
۲- " دوم - خلافت راشدہ ۱۲
۳- " سوم - خلافت بنی امیہ ... ... عہ
۴- " چہارم - خلافت عباسیہ جلد اول ۱۲
۵- " پنجم - " " " دوم ۱۲
۶- " ششم - عباسیہ مصر ۱۲

تاریخ الدولتین - اس کتاب میں خلافت بنی امیہ و بنی عباس کے حالات پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے - مصر کے مشہور اہل قلم جرجی زیدان کی تصنیف ہے جسے مولانا نیاز فتحپوری نے اردو کا جامہ پہنایا ہے - قیمت ... ... عہ

مبادی معاشیات - یہ علم المعیشت پر ایڈون کینن کی مشہور و معروف تصنیف ہے جس کا ترجمہ پروفیسر ذاکر حسین خاں صاحب نے نہایت سلیس اردو میں کیا ہے یہ کتاب فن کے مبتدیوں کے لئے مفید ہے قیمت ... ... عہ

تاریخ ہند قدیم - قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ایک مختصر لیکن نہایت جامع خاکہ شعبہ تصنیف نے - کے - ایم - پانیکر صاحب ایم - اے (آکسن) سے انگریزی میں لکھا کر اردو میں ترجمہ کرایا ... ... عہ

ذکری - تفسیر پارۂ عم - مصنفہ خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی استاد تفسیر جامعہ - سلسلہ تفسیر "الفرقان فی معارف القرآن" کسی تعارف کا محتاج نہیں - یہ کتاب بھی اسی مفید سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں پارۂ عم کی تفسیر خواجہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں امت اسلام کے لئے پیش کی ہے - قیمت ۸

عبرت - تفسیر سورۂ یوسف - سلسلۂ تفاسیر کی ایک اہم جلد جس میں احسن القصص یعنی سورہ یوسف کی تفسیر نہایت خوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور اسکے عبرت انگیز نتائج کو بہت موثر طریقہ پر پیش کیا گیا ہے - قیمت عہ مجلد ۱۲

برہان سورہ نور کی مکمل اور مبسوط تفسیر نہایت پر زور اور دلکش طرز تحریر - قیمت عہ مجلد ۱۲

قواعد عربی - (حصہ اول) - کتاب الصرف - اردو میں عربی صرف کی مستند کتاب جسے ہندوستان کے مشہور عربی ادیب مولانا ابو عبداللہ محمد بن یوسف السورتی استاد عربیات جامعہ نے نہایت تحقیق سے مرتب کیا ہے - قیمت ... ۱۲

تاریخ فلسفہ اسلام - از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی - ایچ ڈی (برلن) - ہالینڈ کے مشہور فلسفی اور مستشرق ٹ - ج - دی بوئر کی گرانقدر تصنیف کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ - تاریخ فلسفہ اسلام پر اردو میں یہ پہلی بیش قدر کتاب ہے - قیمت ۱۲

عربوں کا تمدن - ڈاکٹر جوزف ہیل پروفیسر میونک یونیورسٹی کی مشہور و معروف تصنیف کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی - اے (جامعہ) مترجم نے کتاب کی قدر نہایت مفید ضمیمہ لکھ کر اور بھی بڑھا دی ہے - جو تاریخ اسلام پر یوں بھی نہایت محققانہ اور بصیرت افروز مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے - قیمت ۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی

ٹیلیفون نمبر ۲۵۱۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

نرخنامہ چندہ

سالانہ عہ

ششماہی عہ

فی پرچہ ۱؍

نرخنامہ اشتہار

فی صفحہ للعہ

نصف صفحہ صہ

چوتھائی صفحہ سے

ایڈیٹر۔ سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۶ | ۱۲؍ مارچ ۱۹۲۹ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

	مضمون	مصنف	صفحہ
(۱)	دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟	......	۲
(۲)	مسلمانوں کا نظام تعلیم۔	عبدالکریم خاں صاحب متعلم جامعہ	۳ و ۴
(۳)	کوائف جامعہ و رفتار تعلیم۔	......	۵
(۴)	مصیبت کے وقت ثابت قدم رہنا۔	مولوی سعد انصاری صاحب بدوی	۶
(۵)	ہوائی جہاز	م	۷
(۶)	ہرش (زمین سے متعلقات)	سعید انصاری	۸
(۷)	قشرِ زمین کی موجودہ حالت	مطیع اللہ صاحب متعلم جامعہ	۹
(۸)	گلاب کا پھول (نظم)	بسمل	۱۰
(۹)	ماو اعظم (دلچسپ لطیفہ)	فیاض حسین صاحب	۱۱ و ۱۲
(۱۰)	ایک قیدی کی رہائی	حمید الحق صاحب نامی نگرامی	۱۳
(۱۱)	انعامی معمہ	م۔ ب	۱۴
(۱۲)	اشتہارات		۱۵ و ۱۶

دنیا میں کیا ہو رہا ہے

ہندوستان

جس روز سے مہاتما گاندھی نے کلکتہ میں بدیشی کپڑا جلایا، اور حکومت نے انھیں گرفتار کیا اس وقت سے لیکر آج تک اس آگ کے شعلے ہندوستان کے ہر ہر گوشہ میں بھڑکتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں سے برابر خبریں آ رہی ہیں کہ ہر جگہ کافی مقدار میں بدیشی کپڑا جلایا گیا ہے اسی سلسلہ میں اہل دہلی نے بھی ۱۰ مارچ کو بدیشی کپڑے کا ایک انبار نذر آتش کیا۔

ابھی حال میں مجلس مقننہ کے ممبروں نے کثرت آرا سے حکومت پر بداعتمادی کا ووٹ پاس کیا ہے جس میں ان مسلمان ممبروں نے بھی جو نہرو رپورٹ کے سلسلے میں ہندووں سے بدظن ہو گئے ہیں، سوراج پارٹی کا ساتھ دیا۔

بعض مسلمان رہنماؤں نے یہ طے کیا ہے کہ آیندہ سے وہ ان مظاہروں میں جو کانگریس کے ماتحت ہوا کریں گے، کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لیں گے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اپنی تمام تر توجہ مسلمانوں میں باہمی اتفاق و اتحاد کی طرف منعطف کر لی ہے۔ چنانچہ شفیع لیگ اور جناح لیگ کا آپس میں اتحاد ہو جانا اس کی ایک بڑی دلیل ہے۔

---

۱۸ مارچ سے دہلی میں ہاکی ایسوسی ایشن کے ماتحت ایک ریلوے ٹورنامنٹ ہو رہا ہے اس میں صرف وہ ریلوے ٹیمیں شریک ہوئی ہیں، جو ہندوستان کی بہترین ٹیموں میں شمار کی جاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ "لوکو اجمیر" جس نے "المپک ٹیم" سے مقابلہ کیا تھا، پہلے ہی روز ای۔ آئی۔ آر سے ایک گول سے ہار گئی۔

ممالک غیر

افغانستان کی خانہ جنگی عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ اس لئے کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پورا افغانستان اس ابتری اور بدنظمی سے نالاں ہو رہا ہے اور امن و امان کا متمنی ہے۔ اس کے علاوہ سوائے چند ایک مولویوں کے پورا ملک امان اللہ خاں کی حمایت پر تلا ہوا ہے۔ جنرل نادر خاں نے بھی ان کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ اور بظاہر آثار ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ عنقریب امان اللہ خاں پھر تخت افغانستان پر متمکن نظر آئیں گے۔

روس کا مشہور مدبر ٹراٹسکی جس کو حکومت روس نے ملک سے باہر نکلجانے کا حکم دیا تھا، آج کل ٹرکی میں اقامت پذیر ہے۔ انھوں نے حکومت ترکیہ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیں گے۔ آج کل وہ قسطنطنیہ کے قریب ایک خوبصورت اور صاف ستھرے مقام پرا پہ میں مقیم ہیں۔

عراق و نجد کی سرحد کا معاملہ روز بروز پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ تازہ خبر سے معلوم ہوا ہے کہ وہابیوں کو یب کی جانب سے عراق پر پیشقدمی کی۔

ایم۔ سی۔ سی کی ٹیم جو آسٹریلیا گئی تھی، پانچویں میچ میں آسٹریلیا سے بہت بری طرح سے شکست کھا گئی۔

حکومت جاپان کے صدر پارلیمنٹ مسٹر موتورا نے جو ۱۸۹۰ء سے اب تک برابر صدر ہوتے چلے آ رہے تھے، کسی اختلاف کی بنا پر پارلیمنٹ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ابھی ان کا استعفیٰ باضابطہ طور پر منظور نہیں ہوا ہے۔

مسلمانوں کا نظام تعلیم
اور
جامعہ قرطبہ
(۱)

بأربع فاقت الأمصار قرطبة — بهاتين قنطرة الوادي وجامعها

هاتان ثنتان والزهراء ثالثة — والعلم أعظم شيء وهو رابعها

ہمارا مقصد اس مضمون کے لکھنے سے یہ ہے کہ ناظرین کو مسلمانوں کے ان علمی اور شاندار علمی کارناموں سے آگاہ کریں جو آج سے ۰۰۰۰ برس قبل انھوں نے سرزمین اندلس میں دکھایا تھا۔

ویسے تو ہم جامعہ قرطبہ کا نام متعدد بار سن چکے ہیں مگر وہاں کے تعلیمی نظام وغیرہ سے ہمیں کوئی واقفیت نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے آج اس موضوع پر کچھ لکھیں۔

تعلیم کی اہمیت عہد نبوی اور عہد صحابہ میں

مگر قبل اس کے کہ ہم جامعہ قرطبہ پر کچھ لکھیں، یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تعلیمی نظام کا بھی یہاں تذکرہ کریں جس کی بنیاد مسلمانوں کے عہد میں پڑی۔ ظہور اسلام سے پیشتر جہاں عربوں کی حالت زندگی کے اور مختلف شعبوں میں گری ہوئی تھی، ان کی تعلیمی حالت بھی نہایت درجہ قابل افسوس تھی۔ جہاں تک ہماری واقفیت کام دیتی ہے، ہم کو معلوم ہے کہ لوگ ظہور اسلام سے قبل جس کو تاریخ زمانہ جاہلیت سے تعبیر کرتی ہے بہت تھوڑے لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مگر اسلام نے اگر جہاں ان کی اور کمزوریوں کو رفع کیا، ان میں جستجوئے حق اور حصول علم کا بھی شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ اسکے ثبوت میں ہم رسول اللہ صلعم کے وہ اقوال پیش کر سکتے ہیں جو انھوں نے علم کی اہمیت ظاہر کرنے کی غرض سے ارشاد فرمائے تھے۔ یعنی

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین

یہ وہ زریں اقوال ہیں جنھوں نے جاہل عربوں میں بجلی کا اثر پیدا کیا۔ انھوں نے اپنی تمام تر توجہ تعلیم کی طرف منعطف کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ خود امی محض تھے، مگر آپ کے دل میں جو عزت و قدر علم کی تھی اس کا اندازہ ہم اس سے لگا سکتے ہیں۔ کہ غزوہ بدر کے بعض قیدیوں کو صرف اس شرط پر رہا کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں اور مسلمانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ آپ نے جو کچھ کیا سو کیا۔ مگر آپ نے کوئی تعلیمی نظام اپنی زندگی میں قایم نہ کیا ورنہ آپ اس کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔

اس کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ آتا ہے۔ خلفاء راشدین جو رسول اللہ صلعم کے ہر نقش قدم پر چلتے تھے، انھوں نے علم و فن کو فروغ دینے میں بھی آپ کے اسوہ کی پیروی کی۔ ان کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر قرآن کے مطالعہ میں وقت صرف کرتے اس لئے کہ اس وقت اسی کی زیادہ ضرورت تھی۔ اور قرآن سے واقف ہونا گویا بیک وقت فقیہ اور عالم دین ہونا تھا۔ اس وقت اسلام کا جمہوری نظام بھی اس بات کا مقتضی تھا کہ ہر مسلمان اس قدر تعلیم یافتہ ہو کہ مقدس کتاب کا مطالعہ کر سکے۔ چنانچہ خلفاء کرام کے زمانہ میں جگہ جگہ ابتدائی مدارس قایم ہوئے جن میں قرآن کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ یہ مدارس مفتوحہ علاقوں میں بھی قایم کئے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں کی علم کے ساتھ اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی کہ قرآن کے علاوہ اور بھی علوم کے پڑھنے پڑھانے کا انتظام ہو گیا۔

بنو امیہ اور بنو عباسیہ کا زمانہ

مگر یہ دور بہت ہی جلد ختم ہو گیا اور اس کے بعد بنو امیہ کا عہد شروع ہوا۔ اس دور سے پہلے خلفاء راشدین کے عہد میں عربوں کا تصادم ایک ذہین قوم یعنی ایران سے ہو چکا تھا جو علم و فن اور تہذیب و تمدن کے میدان میں اس وقت سب سے آگے تھی۔ ان سے عرب بے حد متاثر ہوتے۔ اب عربی قوم میں خوشگوئی۔ دور اندیشی۔ خوش باشی اور بے تکلفی کے علاوہ

وسیع النظری بھی پیدا ہوگئی اور انھوں نے اب سے باقاعدہ طور پر علوم وفنون کی تحصیل میں حصہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے بصرہ میں چھوٹے چھوٹے علمی ادارے قایم ہوئے اور جزیرہ نمائے عرب میں علمی سرگرمیوں کا آغاز یہیں سے ہوا۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ بنو امیہ نے علم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ انھیں کے جمع کردہ مواد کو لے کر بنو عباس نے علوم وفنون کو معراج ترقی پر پہنچایا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اب تک مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں بہت ہی محدود تھیں۔ اور بنو عباس کے عہد میں یہ بہت وسیع ہوگئیں اور اس وقت سے ایک جدید تعلیمی نظام کی ابتدا ہوتی ہے۔ بلکہ شروع شروع میں تو یہ نظام خود بخود بغیر کسی کوشش کے پیدا ہوا اور جب حکومت نے علم کی سرپرستی قبول کی تو اسے عام مقبولیت حاصل کرنے کے لئے کافی مدد مل گئی۔

مگر اس کے یہ معنی نہ لئے جائیں کہ ان مدارس کا انتظام حکومت کے ہاتھوں میں تھا۔ ایسا خیال یقیناً غلط فہمی پر مبنی ہوگا۔ حکومت نے ان لوگوں کی صرف ہمت افزائی کی، جو اس کام کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس زمانہ میں تعلیمی درسگاہیں حکومت کی دست نگر سے کلیتاً آزاد تھیں۔ اور جس وقت حکومت کی طرف سے درسگاہیں کھولی گئیں اس وقت تعلیم بہت کافی ترقی کر چکی تھی مگر پھر بھی عام لوگوں نے حکومت کی اس سرپرستی کو بری نظر سے دیکھا اور جب بغداد میں حکومت کی طرف سے مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی تو علماء نے ملکر علم کا ماتم کیا کہ اب سے لوگ تعلیم کو تعلیم کی خاطر نہیں بلکہ حکومت کے لئے حاصل کرینگے۔

بہرحال اسلامی حکومت کے اس دور میں تعلیم گاہوں کے اندر اساتذہ کا خرچ جمہور کے ذمہ ہوتا تھا۔ تعلیم کی کوئی فیس وغیرہ نہ تھی تعلیم سے فراغت پانے کی سند کے لئے ان کو کوئی امتحان پاس کرنا نہیں پڑتا تھا اتنا ضرور تھا۔ کہ جن مضامین کو وہ پڑھتے تھے، ان پر ان کو کافی عبور ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے بہترین دماغ ہم کو صرف درسگاہوں میں مل سکتے ہیں۔

تعلیم کا قاعدہ پڑھائی کا قاعدہ یہ تھا کہ اساتذہ اپنے درس میں تمام لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔ اور پھر ان کو لکچر دیا کرتے تھے۔ اور بعد میں وہ خود طلباء کی صحبتوں میں شریک ہوکر ان مسائل کے مضامین پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ طلباء کو پورا اختیار تھا۔ کہ اپنی تشفی کے لئے اساتذہ سے ہر قسم کا سوال کر سکیں۔ یہ ائمہ فن اپنے ماتحت اساتذہ رکھتے تھے، جن کی مدد سے وہ طلباء تک اپنے خیالات پہونچا سکتے تھے۔

جامعہ (یونیورسٹی) کی تعلیم میں بھی مذہب کا پلہ بھاری تھا۔ قرآن کی تعلیم اور خوش نویسی سے کوئی نصاب خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی زبان نہ صرف مذہبی زبان تھی بلکہ تمام علوم وفنون کا ذریعہ تعلیم بھی تھی۔

اساتذہ کی کوئی مقرر تنخواہیں نہیں تھیں۔ بلکہ وہ اپنی معاش کے لئے تجارت یا اور کوئی کام کیا کرتے تھے۔ البتہ بعد میں جب نصاب تعلیم کو حکومت نے اپنے ہاتھوں میں لیا، تو اساتذہ کی تنخواہیں بھی مقرر ہوگئیں۔ اور سند تعلیمی کا لحاظ رکھا جانے لگا۔ طلباء کو سند کے ساتھ گون (چوغے) بھی ملا کرتے تھے جس طرح آج کل اکسفورڈ اور کیمبرج میں ملتے ہیں۔

ابتدا میں مساجد صرف عبادت گاہیں نہیں تھیں بلکہ مدارس کا قیام بھی انہی میں ہوتا تھا۔ جیسا کہ آج کل بھی مشرق میں ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ ان مدارس نے جوامع (یونیورسٹی) کی صورت اختیار کی۔ آجکل کے مسلمانوں کو یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ انھیں مدارس میں جو مساجد میں قایم ہوتے تھے اساتذہ علوم موسیقی بھی سکھایا کرتے تھے۔ اس وقت کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں موسیقی بحیثیت ایک لازمی مضمون کے تھا۔ مساجد آج بھی مسلمان درسگاہوں کا کام دیتے ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت لوگ ان مساجد میں اپنی فہم و ذہانت سے کام لیا کرتے تھے اور آج سوائے ناظرہ خوانی اور شرح نویسی کے اور کچھ نہیں۔ بلکہ اب وہ بھی ختم ہوتا جارہا ہے اور یہ پرانی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے بے کار مغز پاشی کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے طریقہ تعلیم اور نصاب کے متعلق لکھا ہے وہ صرف مردوں ہی کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ لڑکے اور لڑکیاں مرد و عورت سب کے لئے یکساں تھا۔ اور اس وقت مدارس میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ ملکر پڑھا کرتے تھے۔

یہاں تک تو مسلمانوں کے ابتدائی نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم کا ذکر تھا آیندہ اشاعت میں ہم انشاء اللہ جامعہ قرطبہ کا ذکر کریں گے جو اندلس کی سب سے مشہور یونیورسٹی تھی۔

تعلیمی دنیا

کوائف جامعہ

عید کے دن تمام طلبائے جامعہ اور اساتذہ کھدر کے لباس میں دوگانہ ادا کرنے کی غرض سے اس طرح ایک ساتھ نکلے جیسے ایک بڑے کنبہ کے بوڑھے بچے ساتھ ملکر چلتے ہوں۔ قدیم دستور کے مطابق شب میں ایک نہایت پر تکلف دعوت ہوئی جس میں کچھ باہر کے مہمان بھی تشریف فرما تھے مثلاً مولوی شفیع صاحب داودی ایم ایل اے، مولوی مرتضیٰ بہادر صاحب ایم ایل اے، مولوی عبداللطیف صاحب فاروقی ایم۔ ایل۔ اے وغیرہ وغیرہ دیوداس گاندھی جی کے ہمراہ کچھ ہندو حضرات بھی مدعو تھے جن کا خاص طور سے علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔

---

۱۰ مارچ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ کالج کی طرف سے ایک انٹر کالج طلبا کا انعامی تقریری مقابلہ تھا جس میں ہمارے ہاں کے مدرسہ کی "بزم ادب" کی طرف سے دو نمایندے بھیجے گئے تھے:۔ عبدالواحد صاحب سندھی اور محمد قاسم صاحب سندھی۔ ہر دو مقررین نے اپنی تقریریں نہایت کوشش سے تیار کی تھیں لیکن "ٹرافی" اسلامیہ کالج لاہور کو ملا اور تمغے خود انھیں کے ہاں کے مقرروں کو دیئے گئے۔

گروکل کانگڑی کے سالانہ جلسہ کے موقع پہ جو قومی یونیورسٹیوں کے نمایندوں کا باہمی تقریری مقابلہ ہوتا ہے، اس سال اس میں طلبائے کالج کے "انجمن اتحاد" کی طرف سے دو نمایندے بھیجے جا رہے ہیں۔ مضمون زیر بحث مکمل آزادی اور حکومت بطرز نوآبادیات کی موافقت و مخالفت ہے۔ یہ نمایندے اپنے ہمراہ وہ "ٹرافی" بھی لئے جا رہے ہیں جو گزشتہ سال ان کے پیش رو وہاں سے جیت کر لائے تھے۔ دیکھیئے یہ پھر واپس لاتے ہیں یا چھوڑ آتے ہیں!

"مضبوط اور جری ۱۰ لاکھ ہیں اور ہم تمھاری رہبری کریں گے"

رفتار تعلیم

امریکہ کے ایک پروفیسر نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے نہایت زوروں کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ تعلیم ضروریات زندگی کے لئے اب کارآمد نہیں رہی ہے آکسفورڈ اور کیمبرج کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے۔ آج کل کے تعلیم حاصل کرنے والوں میں ۹۰ فیصدی ایسے نکلیں گے جن کا تعلیم پانے سے وہ مقصد ہرگز نہیں ہے جو ان تعلیم گاہوں کا ہوتا ہے۔ اب تعلیم حاصل کر کے لوگ مختلف پیشوں اور حرفوں میں جانا چاہتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں کے لئے اسی کے مطابق درس گاہیں نہ کھولی جائیں اور خواہ مخواہ کے لئے وہ ایسی تعلیمگاہوں میں پڑھنے کے لئے مجبور کئے جائیں جن کا یہ مقصد ہی نہ ہو۔

محکمہ تعلیم بمبئی کی طرف سے ۲۸-۱۹۲۷ء کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں اس امر کی شکایت کی گئی ہے کہ ان مدرسوں نے بھی جنھیں گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے اور جنھیں صاف حکم دے دیا گیا تھا، اکثر حالتوں میں اچھوت ذات کے بچوں کو اپنے ہاں لینے سے انکار کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھوتوں کی تعلیم کو اس صوبہ میں بہت نقصان پہونچا ہے۔ اور اچھوت ذات کے لوگوں نے بھی اس کی کوئی شکایت نہیں کی اس لئے کہ وہ اپنے آقاوں سے لڑائی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔

جمہوریہ روس نے اپنے گزشتہ انقلاب کے بعد سے تعلیم میں جیسی ترقی کی ہے ویسی کسی ملک نے اس عرصہ میں اب تک نہیں کی ہے۔ روس میں تعلیم کے ذریعہ تین اہم ترین مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے:۔ ایک تو یہ کہ اسکے ذریعہ قومی تمدن میں ترقی ہو، دوسرے یہ کہ لوگوں میں عام خوشحالی اور دولت پیدا ہو، اور تیسرے یہ کہ قوم کی معاشرتی اور سیاسی ترقی ہو، تعلیم کا نظام تمامتر محنت و مشقت پر رکھا گیا ہے اور اسکی آیندہ ترقی کا دارومدار اسکے نوجوان طالبعلموں پر ہے۔ بعض بچوں کے گھروں پر اس قسم کے کتبے نظر آتے ہیں:۔ "ہم نوجوان ۴۴

مذہب

مصیبت کے وقت ثابت قدم رہنا

قرآن کریم:-

۱- مدد چاہو (اللہ تعالیٰ سے) ثابت قدمی اور نماز کے ذریعہ بیشک اللہ ثابت رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

۱ اِسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْن

۲- بیشک اس (قرآن) میں نشانیاں ہیں، ہر ثابت قدم اور شکر گزار (بندے) کے لئے۔

۲ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْر

۳- ثابت قدم رہ جس طرح پختہ ارادے والے رسول ثابت قدم رہے، اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۳- اِصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُل وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْن

۵- جو مصیبت تجھ پر پڑے اس پر ثابت قدم رہ، یہ بڑے عزم و ارادے کی بات ہے۔

۴ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر

احادیث:

۱- صبر آدھا ایمان ہے۔

۱- اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَان۔

۲- جان لو مدد ثابت قدمی کے ساتھ ہوتی ہے۔

۲- اِعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْر

۳- ثابت قدمی جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۳- اَلصَّبْرُ كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّة

۴ ثابت قدمی روشنی ہے۔

۴ اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ

امثال و حکم:-

۱- ثابت قدمی فراخی کی کنجی ہے۔

۱- اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَج

۲- ثابت قدمی کامیابی کی سواری ہے۔

۲- اَلصَّبْرُ مَطِيَّةُ الظَّفَر

۳- جو ایک بری بات کی تاب نہیں لاتا وہ بہت سی بری باتیں سنتا ہے۔

۳- مَنْ لَا يَصْبِرُ عَلٰى كَلِمَةٍ يَسْمَعُ كَلِمَات

۴- صبر ایک کڑوا گھونٹ ہے، جس کو صرف شریف ہی پی سکتا ہے۔

۴- اَلصَّبْرُ مُرٌّ لَا يَتَجَرَّعُهُ اِلَّا حُرٌّ

سائنس

ہوائی جہاز

ہوائی جہاز بیسویں صدی کی اہم ترین ایجادات میں سے ہے - جب لوگوں نے اس طرح کی تمام کوششیں کرلیں اور ان میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تو بعض آدمیوں نے اس مسئلہ کو دوسری طرح سے حل کرنے کی کوشش کی - ہوا کا جہاز ہلکا ہونے کی وجہ سے ہوا میں اُڑتا تھا - لیکن انھوں نے خیال کیا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ہوا سے بھاری چیزیں بھی ہوا میں اڑ سکیں - ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ اگر تاش کے ایک پتہ کو یا ٹین کے ایک ٹکڑے کو ہوا میں متوازی الافق اوپر کی طرف پھینکیں تو اس کو سہارا دینے کے لئے بہت کم قوت صرف ہوتی ہے - ایک امریکن پروفیسر نے خیال کیا کہ اگر کسی چوڑے چوڑے پروں والی چیز کے ساتھ کوئی تیز موٹر لگا دیں تو آہستہ آہستہ ہوا میں اٹھنے لگے گی اور اس اڑنے کے لئے اس کو بہت کم قوت صرف کرنی ہوگی - چنانچہ اس نے ایک مشین تیار کی جس کے دونوں طرف کسی ہلکی دھات کے دو لمبے اور چوڑے بازو لگے تھے - اس کے آگے اس نے ایک چھوٹی سی موٹر لگائی اور اس مشین کو ایک جھیل پر تجربہ کرنے کے لئے لے گیا - اس مشین میں اس نے کسی کو سوار نہیں کیا - اور خالی مشین کے آگے اس موٹر کو چلایا - اس نے دیکھا کہ موٹر مشین کو لیکر آگے بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں اس کی رفتار تیز ہوتی ہے اسی قدر وہ اوپر کو اٹھتی ہے اور بازو اس کو نیچے گرنے سے بچاتے ہیں چنانچہ رفتہ رفتہ وہ کافی بلندی تک ہوا میں اٹھ گئی - لیکن وسط جھیل میں پہنچکر اس کا ایک بازو تیزی کی وجہ سے کسی قدر ٹیڑھا ہوگیا اور وہ مشین جھیل میں گر گئی - لیکن اس تجربہ سے لوگوں کو ایک خاص بات معلوم ہوگئی کہ ہوا سے زیادہ وزنی چیزیں بھی ہوا میں اُڑ سکتی ہیں بہتوں نے اس قسم کے تجربے کرنے شروع کئے اور بیسویں صدی کے شروع میں لوگ بجائے ہوا کے جہاز کے ہوائی جہاز میں سفر کرنے لگے - اب اس میں بہت سی ترقیاں ہوگئی ہیں - متعدد تجربوں کے بعد اب اسکی رفتار ۳۱۰ میل فی گھنٹہ تک پہنچگئی ہے جو ایک اطالوی ہواباز نے حاصل کی ہے آجکل ایک انگریز گرنگ نامی کوشش کررہا ہے کہ یہ رفتار ۳۱۰ میل فی گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوجائے اس قسم کے ہوائی جہاز گزشتہ جنگ عظیم میں بہت استعمال کئے گئے تھے اور اس وجہ سے اس میں حیرت انگیز ترقیاں ہوئیں -

گزشتہ سطروں میں ہم بتا چکے ہیں کہ ہر ایک چیز ہوا سے ہلکی ہوا میں اڑتی ہے - مگر لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چاہا کہ کوئی ایسی ترکیب کیجائے جس سے ہوا سے بھاری چیزیں بھی ہوا میں اڑ سکیں آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ چھوٹے بچے پھرکی سے کھیلتے ہیں اور جب اس کو ہاتھ کی حرکت دیجاتی ہے تو وہ اوپر نہایت زور سے اُڑتی ہے اور متوازی الافق رہتی ہے - اسی طرح لوگوں نے بھی ایک اسی قسم کی چیز بنائی اور بیٹھنے کے لئے لکڑی کا ایک تختہ بناکر اس کے آگے پنکھا لگادیا اور جب اس کو پیڑول کے ذریعہ چلایا گیا تو وہ اوپر کو اٹھنا شروع ہوا - بس اسی طرح لوگوں نے اس کو ترقی دی - یہاں تک کہ اس کی رفتار آج کل ۳۱۰ میل فی گھنٹہ پہونچ گئی ہے اور بعض ہوائی باز اس سے بھی زیادہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں -

مگر یاد رکھنا چاہئیے کہ اسکی شکل ایک چیل کی سی ہوتی ہے جس کے دو بازو ہوتے ہیں اور ایک دم - اور جب اسکو کسی سمت کیطرف موڑتے ہیں تو اس دم کے ذریعہ جہاں اس دم میں خرابی واقع ہوئی، جہاز زمین پر یک لخت گرجاتا ہے - جہاز اڑتے وقت اگر ذرا ترچھا ہوا تو بھی اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا ہے - لیکن یہ ایسی ترکیب سے بنایا جاتا ہے کہ جب یہ اڑتا ہے تو بالکل متوازی الافق رہتا ہے - اور نہایت تیزی کے ساتھ اڑتا چلا جاتا ہے - کسی خرابی کی وجہ سے اگر جہاز نیچے آنا شروع کرتا ہے تو جہاز میں چھتری نما ایک چیز ہوتی ہے اس کو پکڑ کر نیچے کود جاتے ہیں - یہ چھتری پھیلجاتی ہے جسے ہوا سنبھالے رکھتی ہے اور وہ آدمی نہایت آہستہ آہستہ زمین پر آنا شروع ہوتا ہے اور اس طرح وہ بالکل بچ جاتا ہے -

---

تاریخ

ہرش

(چین سے تعلقات)

ہرش نے یوں تو تمام ہندوستان کو ایک چتر کے نیچے لانے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن اس سے زیادہ کوشش اس نے تمام دلوں کو ایک مرکز پر لانے میں صرف کی۔ اس نے اپنے زمانہ میں تمام مذاہب کی ایک کانفرنس منعقد کی جس میں ۴ ہزار بدھ مت کے علماء، ۳ ہزار جین مذہب کے اور ایک بڑی تعداد برہمن مذہب کے لوگوں کی شریک تھی۔ اس کانفرنس میں اور مذہبی لوگوں کے علاوہ کامروپ اور ولبھی کے دو بڑے راجہ اور ۱۸ باجگذار ریاستوں کے راجاؤں نے بھی شرکت کی تھی۔ یہ کانفرنس ہرش کے خاص پایہ تخت قنوج میں منعقد ہوئی تھی اور اس کے جلسے متواتر تین دن تک رہے۔ اس کانفرنس میں ہر روز بدھ کی مورتی ایک نہایت عظیم الشان جلوس کے ساتھ نکالی جاتی اور اس پر راجہ کی طرف سے کثیر مقدار میں زر و جواہرات کی بارش کی جاتی۔

اس کانفرنس کے علاوہ ہرش نے گنگا و جمنا کے سنگم پر ایک اور مجلس کا انعقاد کیا جس میں گرد و نواح کے تمام راجاؤں کے علاوہ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ بھی شریک ہوا تھا۔ اس کانفرنس میں بدھ کے علاوہ شیو اور سورج کی مورتیوں کا بھی جلوس نکلتا تھا اور ان پر کثیر مقدار میں سونے اور جواہرات نثار کئے جاتے گو پہلی کی بہ نسبت آخری دو مورتیوں پر نچھاور کی تعداد کم ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں غربا، مساکین اور یتامیٰ کو خاص طور سے کھانا اور کپڑا تقسیم کیا گیا۔ ہرش نے اس سلسلہ میں اس قدر خیرات اور صدقے کئے کہ خزانہ بالکل خالی ہوگیا اور اسے اپنی بہن کا ہار مستعار لینا پڑا۔ اس زمانہ کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ یکجا نظر آتے ہیں اور یہ ہرش ہی کے دل کی وسعت ہے جس میں تمام فرقوں کے لئے یکساں جگہ موجود تھی۔

ہرش ہیون سانگ کا بہت قدردان تھا۔ جب یہ کانفرنس ختم ہوئی اور ہیون سانگ رخصت ہونے لگا تو اس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ ہرش نے بہت سی اشرفیاں اور دوسری بیش قیمت چیزیں بطور نذر کے اس کی خدمت میں پیش کیں لیکن اس نے بجز ضروری مصارف سفر کے باقی چیزوں کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ حفاظت کی خاطر اس نے اس کے ساتھ ایک فوجی دستہ بھی مع ایک اپنے معتمد کے کردیا جو اس کے وطن چین تک ہمراہ گیا اور جب یہ لوگ ہندوستان واپس آنے لگے تو اپنے ساتھ گوتم بدھ کی چین کی بنی ہوئی سونے، چاندی اور صندل کی مورتیاں لائے اور اس کے علاوہ چھ سات سو کے قریب قلمی کتابیں لائے جو آج اگر موجود ہوتیں تو ہندوستان اور چین کے تعلقات پر کافی روشنی ڈالتیں۔

بدھ مذہب ہندوستان میں پیدا ہوا لیکن آج چین، جاپان اور برما وغیرہ اس کے سب سے بڑے مرکز ہیں۔ گوتم بدھ کے بعد کہ جس نے اس مذہب کی بنا ڈالی، اشوک سب سے پہلا راجہ گزرا ہے جس نے اس مذہب کے پھیلانے میں سب سے زیادہ مدد دی اور اس کے وقت میں ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں مذہبی مبلغین اور پرچارک بھیجے جاچکے تھے۔ خود ہندوستان کے اندر اس کے زمانہ میں یہ مذہب جس درجہ مقبول ہوا، اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے زمانہ میں اور کسی دوسرے فرقہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا اور نہ اس بات کا کہیں پتہ چلتا ہے کہ خود راجہ بھی کسی دوسرے فرقہ کو قدردانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن ہرش کے زمانہ میں ہمیں بدھ، جین اور برہمن تینوں مذاہب کے فرقوں کا ذکر ملتا ہے اور خود راجہ تینوں مذاہب کی حمایت کرتا نظر آتا ہے گو بدھ مذہب کے ساتھ یہ حمایت زیادہ سرگرمی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی یہی حمایت و قدردانی تھی جس کی وجہ سے چین اور ہندوستان میں اتنے گہرے تعلقات قائم ہوگئے اور وہ روز بروز مستحکم ہوتے گئے۔ ہیون سانگ کے ہمراہ اپنا معتمد بطور سفیر ۶۴۱ء میں اس نے ایک برہمن کو بھی بھیجا تھا جو دو سال بعد ایک چینی سفارت کے ساتھ لوٹا۔ ۶۴۳ء میں چین سے ایک اور سفارت آئی لیکن ایک ہی سال بعد چونکہ ہرش کا انتقال ہوگیا اس لئے نہ صرف یہ ہوا کہ اس کے وزیر ارجن نے اس چینی سفیر کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا بلکہ یہ سلسلہ آمد و رفت ہمیشہ کیلئے بند ہوگیا اور ہندوستان پھر باہر کی قوموں کیلئے ایک زیارت گاہ کی بجائے ان کے حملوں کا جولانگاہ بن گیا۔

جغرافیہ

قشرِ زمین کی موجودہ حالت

ہم زمین کی عمر کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ البتہ اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ زمین لاکھوں صدیوں سے موجود ہے۔ لیکن ابتدا میں اس کی یہ حالت نہ تھی جو اب ہے اور اب زمین بہت بڑا ایک ٹھوس کرہ ہے مگر زمانہ گزشتہ میں یہی کرہ آتشیں حالت میں تھا۔ علمائے جغرافیہ کا خیال ہے کہ زمین آفتاب کی ایک چنگاری ہے جو کسی غیر معلوم وجہ سے آفتاب سے اڑ کر الگ ہوگئی اور کشش باہمی کی وجہ سے خلا میں معلق ہوگئی۔ رفتہ رفتہ اس کی حرارت کم ہوتی گئی اور ہزاروں صورتوں میں تبدیل ہوتی گئی اور ایک ایسی صورت میں آگئی جس کو ہم موجودہ زمانہ میں دیکھتے ہیں باوجود ایسی حالت میں ہونے کے اس میں اتنی گرمی موجود ہے جس سے بہت سے تغیرات ہوتے رہتے ہیں مثلاً پہاڑوں کا پھٹنا۔ چشموں کا ابلنا اور زلزلوں وغیرہ کا آنا۔

زمین کے گرم ہونے کی تصدیق یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ہم جوں جوں زمین کے اندر کا رخ کرتے ہیں درجۂ حرارت بڑھتا جاتا ہے اور ہم کو زمین کے اندر کی گرمی محسوس ہوتی جاتی ہے۔ زمین کے قشر کی تعمیر جس طرح ہوئی ہے اس کو اصطلاح میں ہم چٹانیں کہتے ہیں دنیا کے تمام حصوں میں تین قسم کی چٹانیں پائی جاتی ہیں۔ آتشیں۔ آبی اور مخلوط۔

ہماری زمین کی اکثر چٹانیں آگ کی حالت میں تھیں ایسی چٹانوں کو ہم "آتشیں چٹانیں" کہتے ہیں لیکن قشرِ زمین کی پیدایش کے ساتھ زمین پر ہر طرف پانی تھا اس لئے بہت سی چٹانیں جو آتشیں تھیں وہ پانی میں غرق ہوگئیں اور دوسری صورتوں میں تبدیل ہوگئیں ان کا ایک حصہ پانی میں حل ہو جاتا ہے اور باقی حصہ پانی کی تہ میں بیٹھ جاتا ہے رفتہ رفتہ پانی کے دباؤ سے ان کی شکل و صورت میں بہت فرق آجاتا ہے ایسی چٹانوں کو ہم "آبی چٹانیں" کہتے ہیں۔ بعض قسم کی آبی اور آتشیں چٹانیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو حرارت وغیرہ کی وجہ سے ایک دوسری شکل میں تبدیل ہو جاتی ہیں ہم ان کو "مخلوط چٹانیں" کہتے ہیں۔

ابتدائے آفرینش میں زمین کی بالائی سطح میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں لیکن قشرِ زمین کی حرارت جوں جوں کم ہوتی گئی یہ تبدیلیاں کم ہونے لگیں اور اس کی ضخامت میں فرق آتا گیا۔ سائنس کا یہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے کہ سردی سے چیزیں سکڑتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قشرِ زمین کے سکڑ جانے پر اس میں جگہ جگہ نشیب و فراز پیدا ہوگئے چنانچہ زمین کے وہ انتہائی نشیبی اور گہرے حصے جہاں پانی ہے، سمندر کہلائے اور وہ بلندیاں جو سطحِ ارض سے بہت زیادہ بلند ہیں پہاڑ کہلائے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ قشرِ زمین کی یہ تبدیلیاں کس طرح ظہور میں آتی ہیں اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قشرِ زمین کو تبدیل کرنے والی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک داخلی اور دوسری خارجی۔ داخلی صورت سے مراد آتش فشاں پہاڑ۔ زلزلے۔ اور ابلتے ہوئے گرم پانی کے چشمے ہیں۔ اور خارجی صورت سے مراد۔ پانی۔ بارش۔ برف۔ کہرہ وغیرہ ہیں۔

(۱) آتش فشاں پہاڑ۔ ان پہاڑوں سے ایسے پہاڑ مراد ہیں جن کے منھ سے دھواں اور ایک ایسی سیال چیز جس کو اصطلاح میں "لاوا" کہتے ہیں نکلتی ہے۔ آتش فشاں پہاڑ اکثر سمندر کے قریب ملتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ سمندر کا پانی زمین میں جذب ہوتا رہتا ہے اور یہاں تک کہ زمین کے ان طبقات میں پہنچتا ہے جہاں زمین کی انتہائی گرمی ہوتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے پانی بھاپ کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور بھاپ ہر وقت زور کرتی ہے اور اوپر نکلنا چاہتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہموار زمین اوپر کو ابھر آتی ہے اور زیادہ قوت کی وجہ سے شق ہو جاتی ہے۔ اس میں سے جلتا ہوا مادہ نکلتا ہے اور ابلنا شروع ہوتا ہے۔ زمین کی اس حرکت کو آتش انشانی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اگلی اشاعت میں دوسری چیزوں کا ذکر ہوگا۔

نظم

گلاب کا پھول

ہر اک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول کہاں چمن میں ہے اسکے کوئی جواب کا پھول
ریاضِ دہر میں نخلِ طرب آب کا پھول بجا ہے اسکو کہیں ہم اگر شباب کا پھول
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہمنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

خدا نے دی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت عیاں ہے جس سے ہر اک اسکا جلوۂ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ نکہت کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہمنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

ہزار پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے اسی کا گلشنِ عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین ہے سورج مکھی ہے لالہ ہے مگر گلاب کہیں مرتبہ میں اعلیٰ ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہمنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیم بہار بلائیں لیتی ہے منہ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہر شہوار دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہمنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بو بھینی بھینی بھاتی ہے اسی شمیم سے بوئے بہشت آتی ہے
شگفتگی ہی دلکش فضا دکھاتی ہے طراوت آنکھوں میں دل میں سرور لاتی ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

عادِ اعظم

جو لوگ کہ علم ریاضی سے دلچسپی نہیں رکھتے انکو یہ سرخی دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ اس مضمون میں عادِ اعظم پر لیکچر نہیں دیا جائے گا۔ اس کو شروع سے آخر تک پڑھئے اگر ہنسی کا موقع آئے تو ضرور ہنسئے کیونکہ ہنسنے سے آدمی تندرست رہتا ہے۔

ایک مولوی صاحب تھے جنہوں نے خوش قسمتی سے منشی فاضل کا بھی امتحان پاس کر لیا تھا سو ابھی ملازمت تلاش ہی کر رہے تھے کہ انہیں ایک شریف آدمی کے لڑکے کا ٹیوشن مل گیا۔ شرط یہ طے ہوئی کہ مولویصاحب کو حساب بھی پڑھانا پڑیگا۔ کہنے کو تو مولانا کہہ آئے لیکن سوچنے لگے کہ میں نے تو صرف چوتھے یا پانچویں درجہ تک حساب پڑھا تھا۔ نہ معلوم یہ کمبخت لڑکا کیا پوچھ بیٹھے۔ خیر دیکھا جائے گا حساب میں جمع تفریق۔ ضرب تقسیم کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ وہ میں خوب جانتا ہوں اور جانتا کیا ہوں میں نے لڑکوں کو جمع تفریق کے سوالات بھی نکلوائے ہیں۔

مولویصاحب دوسرے دن لڑکے کے گھر پہونچے۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مولانا صاحب سکڑتے سمٹتے، دانت بجاتے ہوئے لڑکے کے گھر پہونچے۔ لڑکے نے ایک انگیٹھی سے مولانا کا استقبال کیا۔ مولانا کچھ دیر تک تو خاموش رہے۔ جب ہوش و حواس بجا ہوئے تو فرمایا۔

مولانا:۔ ہاں بھئی نورالدین (لڑکے کا نام ہے) آج تم نے مدرسہ میں کیا کیا پڑھا اور ہاں پہلے تو یہ بتاؤ کونسی جماعت میں پڑھتے ہو۔

نورالدین:۔ مولویصاحب میں تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں اور آج میں نے اردو، ہندی، انگریزی اور جغرافیہ و حساب پڑھا۔

مولانا:۔ حساب میں کیا پڑھا۔

نورالدین:۔ حساب میں . . . . . میں تو نام ہی بھولا جاتا ہوں۔ یہی نام ہوگا . . . . . ہاں ہاں یاد آگیا۔ عادِ اعظم لیکن کسطرح نکلتا ہے اور اس سے فائدہ کیا ہے؟

مولانا:۔ "عادِ اعظم" مولانا نے اپنے دل میں کہا "یہ عادِ اعظم کیا بلا ہے اخوند والی مسجد میں میں چار سال تک پڑھتا رہا لیکن میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔ ارے بھئی بڑے پھنسے . . . . . ہاں ہاں یاد آیا پڑھا کیوں نہیں تھا۔ ہمارے استاد صاحب نے ایک دن مقسوم علیہ اعظم اور ذو اضعاف اقل کے قاعدے بتائے تو تھے۔ اب مولوی صاحب کو وہ مسجد کا مدرسہ جہاں تعلیم پائی تھی۔ حوض جس پر وضو کیا کرتے تھے۔ غسلخانہ جس میں غسل کیا کرتے تھے۔ مسجد کا لوٹا توڑنے پر مولوی صاحب کی مار سب کچھ یاد آگیا۔ وہ وقت بھی یاد آگیا جب مولویصاحب ایکدن پڑھنے سے بھاگ گئے تھے اور لڑکے انہیں پکڑ کے گھسیٹاں گھسیٹاں لے آئے تھے "بھئی مدرسہ کی زندگی بھی کیا زندگی ہوتی ہے" مولانا کے منہ سے نکل گیا۔

نورالدین:۔ مولوی صاحب آپنے یہ کیا کہا۔

مولویصاحب:۔ چونک کر . . . . . میں کیا . . . کہا . . . کچھ نہیں کچھ نہیں لاحول ولا قوۃ ہمارا دماغ بھی ہوائی جہاز سے کم نہیں کہاں کا کہاں پہنچ گیا۔

نورالدین۔ ہاں، مولوی صاحب بتایئے کہ عادِ اعظم سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

مولوی صاحب:۔ "کیا فائدہ ہوتا ہے" "تم ۲ سال سے اتنے بڑے مدرسہ میں پڑھ رہے ہو اور سیکڑوں روپے خرچ کر چکے ہو۔ یہی نہیں جانتے کہ اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

نورالدین:۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو آپ سے پوچھتا ہی کیوں؟

مولویصاحب:۔ اچھا اگر تم مجھ ہی سے پوچھتے ہو تو میں بتاتا ہوں کہ عادِ اعظم . . . . اچھا تو کیا تمہارے استاد نے تمہیں نہیں بتایا کہ عادِ اعظم سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

نورالدین:۔ نہیں یہ تو نہیں بتایا۔

مولوی صاحب:۔ اچھا تو میں بتائے دیتا ہوں۔ مولویصاحب دل میں خیال کر رہے تھے کہ منشی فاضل کا امتحان پاس کرنے اور دو ایک کتابوں کا مصنف بننے اور ایک دو بچوں کا باپ کہلانے کے باوجود میں یہ بھی نہیں جانتا کہ عادِ اعظم کیا چیز ہوتی ہے۔ مقسوم علیہ اعظم تو پڑھا تھا سو وہ بھی بھول گیا لیکن یہ عادِ اعظم کیا بلا ہوتی ہے۔ اب مولویصاحب نے عقل پر زور دیکر فرمایا۔

مولویصاحب:۔ عادِ اعظم سے دلچسپی حاصل ہوتی ہے۔ اور دماغ مضبوط ہوجاتا

ہے۔ اصل میں یہ بتانا در اصل ہے کہ اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ آگے چل کر تم کو اس سے بہت مدد ملے گی۔

نورالدین:- مولوی صاحب کیا آپ کو بھی اس سے کچھ مدد ملی۔

اب مولوی صاحب خاموش تھے کیا جواب دیتے۔ سوچنے لگے یہ تو برا ہوا۔ میں نے کیا بات کہدی۔ میں روزانہ کرایہ انکم ٹیکس۔ بیوی کے حسابات خانہ داری کے دیگر اخراجات۔ ان تمام چیزوں کا حساب کرتا ہوں انمیں زیادہ تر جمع۔ تفریق۔ ضرب تقسیم کا استعمال ہوتا ہے۔ مجھے خوب یاد پڑتا ہے کہ میں نے عاد اعظم کا استعمال اپنی تمام عمر میں کبھی نہیں کیا "

مولوی صاحب: اچھا میاں صاحبزادے پہلے اپنے ماسٹر سے دریافت کرنا کہ عاد اعظم کس کام آتا ہے۔ پھر میں بتاؤں گا۔

نورالدین:- بہت اچھا جناب لیکن یہ تو بتا دیجئے کہ عاد اعظم نکلتا کس طرح ہے

مولوی صاحب:- پہلے تم تو بتاؤ کہ تمہیں کس طرح نکلوایا گیا تھا۔

نورالدین:- قاعدہ تو مجھے یاد نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ ۳ و ۶ و ۹ کا عاد اعظم ۳ ہے۔ اور ذو اضعاف اقل ۱۸ -

مولوی صاحب کو قاعدہ معلوم نہیں تھا سٹ پٹائے کہ اب کیسے بتایا جائے۔ کہنے لگے ۳ و ۶ و ۹۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا عاد اعظم ۳ ہی ہو سکتا ہے لیکن بیٹا جاؤ ذرا میرے لئے حقہ تو بھر لاؤ۔

نورالدین تو حقہ بھرنے چلا گیا اور مولوی صاحب نے سوچنا شروع کیا۔

۳ × ۶ = ۱۸ -
۱۸ ÷ ۹ = ۲

تو انکا عاد اعظم ۲ ہوا لیکن ایک کم رہ گیا۔ ایں . . . . یہ غلطی کیسے رہ گئی . . . . واہ واہ . . . . اب تو سمجھ گیا۔ چھوٹے عدد سے سب سے بڑے عدد میں تقسیم دیتے ہیں۔ یعنی ۹ ÷ ۳ = ۳ بس یہی جواب ہے۔

اچھا اگر ہمیں ۱۷ و ۴۵ و ۳۸۲ کا عاد اعظم دریافت کرنا ہے تو

۳۸۲ ÷ ۱۷ = ۲۲ ۸/۱۷ یعنی تقریباً ۲۳ ہوا

لیکن اگر ۴۵ میں ۲۲ ۸/۱۷ کی تقسیم دیں تو دو مرتبہ پورا جاتا ہے اور صرف ۱/۱۷ کی کسر رہتی ہے یعنی ۲۲ ۸/۱۷ کا دوگنا ۴۴ ۱۶/۱۷ ہوا صرف ۱/۱۷ کی کسر رہ گئی اوہ ۱/۱۷ کا فرق تو کوئی فرق نہیں۔

اچھا اب ذو اضعاف اقل نکالا جائے

۶ ÷ ۳ = ۲
۹ × ۲ = ۱۸　　واہ وا یہ تو بہت جلد نکل آیا۔

اچھا اب اسی قاعدے سے ۱۷ - ۴۵ و ۳۸۲ کا ذو اضعاف اقل نکالیں

۴۵ ÷ ۱۷ = ۴۵/۱۷

اور ۳۸۲ × ۴۵/۱۷ = ۱۷۱۹۰/۱۷ یعنی ۱۰۱۱ ۳/۱۷ تقریباً ۱۰۱۱ ہوا

نورالدین:- مولوی صاحب لیجئے حقہ لیجئے

مولوی صاحب منہ سے دھواں اڑا رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ یاالٰہی یہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔

دیکھو بھئی عاد اعظم کے نکالنے کا طریقہ تو یہ ہے کہ تمہیں کتنے ہی عدد دو نکالنا پڑے۔ سب سے چھوٹے عدد کی سب سے بڑے عدد میں تقسیم دیدو پھر جواب کی تقسیم ہر ایک عدد میں دیکر دیکھو

مثال کے طور پر ۱۷ و ۴۵ و ۳۸۲ کا عاد اعظم نکالنا ہے تو

۳۸۲ ÷ ۱۷ = ۲۲ ۸/۱۷ یعنی تقریباً ۲۳

۴۵ ÷ ۲۲ ۸/۱۷ = ۲ اور ۱/۱۷ باقی بچے - بس ۲۳ جواب ہے۔

ذو اضعاف اقل نکالنے کا یہ طریقہ ہے کہ

چھوٹے عدد کی اس سے ذرا بڑے عدد میں تقسیم دو اور جو کچھ جواب آئے اس میں سب سے بڑے عدد سے ضرب دو

جیسے ۳ و ۶ و ۹ کا ذو اضعاف اقل　　۶ ÷ ۳ = ۲
۹ × ۲ = ۱۸

دیکھو کبھی تھوڑا سا فرق بھی پڑ جاتا ہے۔ اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے ۳ و ۶ و ۹ کا عاد اعظم اس طرح نکلے گا کہ

۹ ÷ ۳ = ۳　بس یہی جواب ہے۔

دوسری مثال:- ۱۷ و ۴۵ و ۳۸۲ کا ذو اضعاف اقل۔

۴۵ ÷ ۱۷ = ۴۵/۱۷

۳۸۲ × ۴۵/۱۷ = ۱۷۱۹۰/۱۷ = ۱۰۱۱ ۳/۱۷ یعنی تقریباً ۱۰۱۱

نورالدین:- لیکن مولوی صاحب عاد اعظم یا ذو اضعاف اقل میں کسر تو نہیں۔

مولوی صاحب:- جس زمانہ میں ہم پڑھتے تھے اسوقت تو آتی تھی ممکن ہے اب کوئی نیا طریقہ ایجاد ہو گیا ہو اپنے ماسٹر سے دریافت کرنا وہ بھی میرا خیال ہے کہ یہی بتائیں گے۔

مولوی صاحب بڑبڑاتے اپنے گھر چلے انہیں عاد اعظم اور ذو اضعاف اقل ایجاد کرنیوالے پر اتنا غصہ تھا کہ اگر وہ اسوقت ملجاتا تو غالباً گولی ماردیتے۔

ایک قیدی کی رہائی

ایک غریب بڑھیا کسی بزرگ کے پاس گئی اور کہا کہ میرے لڑکے کو روم کے بادشاہ نے قید کر لیا ہے۔ میرے پاس نہ تو اتنا روپیہ ہے کہ سپاہیوں کو رشوت دے کر قید خانے میں اپنے لڑکے کو جا کر دیکھ آؤں اور نہ کوئی سامان ہے جس کو فروخت کر کے میں کچھ روپیہ حاصل کر سکوں۔ ہاں ایک ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا ہے اگر اسے فروخت کر کے میں کچھ روپیہ حاصل بھی کر دوں تو سوچتی ہوں کہ پھر کیسے ملاقات کروں گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اس کے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ اس دنیاوی عذاب سے رہائی پا جائے۔ کیونکہ مجھے اس کے بغیر نہ تو دن کو چین آتا ہے اور رات کو نیند۔ بزرگ نے بڑھیا سے کہا کہ تو جا اور میں اس معاملہ پر غور کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ بڑھیا جب چلی گئی تو اس بزرگ نے زمین کی طرف دیکھا اور کچھ لب ہلائے۔

دوسرے دن وہی بڑھیا اپنے لڑکے کو ساتھ لئے ہوئے اس بزرگ کے پاس گئی اور اس کو لاکھوں دعائیں دینے لگی اور یہ بھی کہا کہ میرے لڑکے کی رہائی کا قصہ عجیب و غریب ہے وہ خود آپ سے بیان کرنا چاہتا ہے۔

لڑکے نے کہا کہ میں قیدیوں کی جماعت میں بادشاہ روم کے سامنے کھڑا تھا کہ اس نے اپنے ایک فوجی افسر کی خدمت پر مجھے مامور کیا۔ میں اس کی خدمت کرنے لگا۔ وہ روزانہ جنگل کی طرف جایا کرتا اور مجھے بھی اپنے ساتھ لیجاتا میرے پیر میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں کل کا قصہ ہے کہ میں شام کے وقت اپنے آقا کے ساتھ جنگل سے واپس آرہا تھا کہ یکایک میرے پیروں کی بیڑیاں کھل کر زمین پر گر پڑیں۔ محافظ جو میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا، چیخا اور میرے آقا (یعنی فوجی افسر) کو جو آگے آگے جا رہا تھا، آگاہ کیا۔ فوجی افسر یہ بات دیکھ کر بہت خفا ہوا اور لوہار کو بلوا کر کھلی ہوئی بیڑیاں پھر میرے پیر میں ڈلوا دیں۔ دو چار قدم چلا تھا کہ پھر بیڑیاں خود بخود کھلکر زمین پر گر پڑیں۔ فوجی افسر اور محافظ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور مجھ سے سوال کیا کہ تیرے والدین زندہ ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ باپ تو عرصہ ہوا مر گئے ہیں لیکن ماں جو بالکل ضعیف ہو چکی ہے، زندہ ہے۔ فوجی افسر نے کہا کہ یہ اسی کی دعا کا اثر ہے اب یہ ممکن نہیں کہ خدا کی رہا کی ہوئی چیز کو ہم قید میں رکھیں۔ بادشاہ روم نے جب یہ قصہ سنا تو مجھے رہا کر دیا۔

بزرگ نے کہا کہ کل اسی وقت میں نے تیرے حق میں رہائی کی دعا کی تھی اور وہ قبول ہو گئی۔

بڑھیا اس بزرگ کو دعائیں دیتی ہوئی خوشی خوشی اپنے گھر پہونچی۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے بیٹے کی پاک کمائی پر گزر بسر کرنے لگی۔

انعامی معمہ

ترکیب الفاظ دائیں سے بائیں کو

۱= سچائی سیدھا
۲= ہے -
۱۳= ارمان -
۱۵= تانتا -
۳۳= "نقلی" کی ضد
۶= ضمیر صیغہ امر مخاطب
۱۲= رحمت کیا گیا -
۴۴= ایلچی -
۵= جادو -
۱۱= مہمان کی خاطر مدارات کا نام -
۴۵= (مقلوب) مژدہ
۳۶= "لیلیٰ" کا ناکام عاشق -
۱۰= بوجھ -
۵۱= پھر شکرا -
۴۶= ایک ہندسہ
۴۹= مریض -
۹= سانپ -
۴۷= نیند -
۵۰= لدہ -
(۱۹)=
۵۲= گوشت
۲۱= اجاڑنا -
۵۳= دال سور -
۲۳= ایک عدد
۵۴= توت -

۵۵= بند - حبس -
۵۶= نوع -
۵۷= شہرت رکھنے والا -
۵۸= جھکا ہوا -
۵۹= ایک حرف مقطعہ قرآن مجید -
۲۸= تیسرا -
۶۰= پانی لادنے کی شے -
۳۰= بیمار کی پرسش -
۶۱= محل -
۳۳= بجلی -
۳۶= خطا -
۶۲= انگریزوں کی ٹوپی -
۶۳= بوستاں -
۶۴= پرہیز -
۳۸= انگور -
۳۹= جنت کی حسین عورت -
۴۰= متحرک تصاویر کا تماشہ
۶۵= ہوائی جہاز -
۶۶= ایک ہندسہ -
۴۲= پانے -
۶۷= گول -
۴۱= زمانہ -
۶۸= ایک نفیس کپڑا (مقلوب)
۶۹= جنت -
۷۱= ایک عدد -
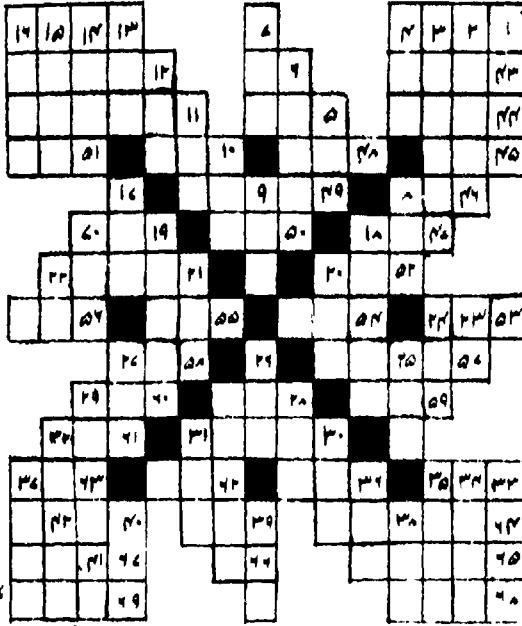
ترکیب الفاظ اوپر سے نیچے کو

۱= سچائی، سیدھا
۲= نیک صوفی لوگ -
۳= ایک مشہور پیغمبر جن کی "خاتم" مشہور ہے
۴= پرانے زمانہ کا آلۂ ضرب -
۴۳= ہے -
۵= ایک بیل -
۶= اچھائی بیان کرنا -
۷= ڈھنگ -
۸= میلا -
۹= نیند -
۱۰= شکرا -
۱۱= سانپ -
۱۲= بیوی کا دین جو شوہر پر عاید ہوتا ہے -
۱۳= مشرف دیا گیا -
۱۴= بادل -
۱۵= اشکباری -
۱۶= ہیجان -
۱۷= بال -
۱۸= رنجیدہ -
۱۹= ایک میوہ -
۷۰= شرم -
۲۳= سانس -

۲۴= دور -
۲۵= لالچ -
۲۶= ظلم
۲۷= حسد -
۲۸= چاندی -
۲۹= تمہارے کام کرنے والا -
۳۰= ایشیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما -
۳۱= آلۂ حرب و شکار -
۳۲= جیب -
۳۳= غلط -
۳۴= لعنت کیا گیا -
۳۵= قتل کرنا (کثرت)
۳۶= مرتبہ -
۳۷= برباد -
۳۸= ملایم -
۳۹= شوکت دبدبہ -
۴۰= زہر (آخر حرف قطع کرکے) -
۴۱= ایک عدد -
۴۲= چوپا -

مندرجہ بالا معمہ میں جو جو الفاظ ترکیب پاتے ہیں انکا مفہوم اور معنی معمہ کے دائیں بائیں نیچے درج ہیں :-

نوٹ:- حل ارسال کرتے وقت حسب ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:-

(۱) حل یا تو نقشہ میں حرف کی خانہ پُری کرکے بھیجے جائیں یا نمبر دیکر الفاظ کی فہرست بالترتیب بھیجی جائے -

(۲) ہر حل کے ہمراہ ار کا ٹکٹ ملفوف آنا چاہیے -

(۳) تمام حل م - ب ممتاز بیگم صاحبہ مارہروی - محلہ کمبوہ - مارہرہ ضلع ایٹہ کے پتہ پر ارسال کئے جائیں -

(۴) حل کے ساتھ اپنا پتہ واضح طور پر لکھا جائے -

انعام:- اس حل پر چار انعام اور چار تحفے دیئے جائینگے - آٹھ سے زیادہ صحیح حل پر فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا یعنی پہلے آٹھ نام قرعہ سے لے لئے جائینگے اور پھر ان میں سے اول چار کو انعام اور آخر چار کو تحفے ارسال ہونگے -

میعاد: حل اس معمہ کی اشاعت کے مابعد ایک ماہ کے اندر وصول ہونے چاہئیں - فقط -

اُردو کی منتخب کتابیں

سیر المصنفین

از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا وکیل غازی آباد - ادب اردو میں یہ بالکل نئی اور قابل قدر کتاب ہے - ابتدا سے نثاروں اور مصنفین کا یہ ایک دلچسپ تذکرہ ہے جو بڑی محنت و کاوش اور فن ترتیب اور سلیقے سے لکھا گیا ہے - حالات کے ساتھ اردو زبان کے مختلف زمانوں اور دوروں کی تبدیلیوں اور ترقیوں کا بھی دلچسپ انداز میں ذکر ہے - مصنفوں کی تحریروں کے نمونے کتاب کی دلچسپی بڑھا دیتے ہیں - یہ کتاب داخل نصاب ہونے کے قابل ہے - جس طرح آبحیات اردو شاعری کی تاریخ ہے - یہ اردو نثاری کی سرگذشت ہے - قیمت حصہ اول ۲؎ - حصہ دوم ۲؎

ہماری شاعری

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا مشہور مضمون جو عام طور پر بہت مقبول و مشہور ہوا - اب مع اضافوں کے کتابی صورت میں چھپا ہے - پوری کتاب بڑے اہتمام و دیدہ زیبی کے ساتھ دو رنگ میں چھاپی گئی ہے - اردو شاعری پر یہ ایک مبسوط و مکمل تصنیف اور قابل دید ... ۲۰۰ صفحات - کپڑے کی خوشنما جلد - قیمت ۲؎

ایشیائی شاعری

مولوی سید امجد علی صاحب اشہری کی یہ وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو مسلم اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کے سلسلۂ شعبہ علمی کی ایک قابل قدر کڑی ہے - اردو شاعری پر یہ ایک اچھی کتاب ہے جس میں بڑی نفیس زبان استعمال کی گئی ہے اور بڑی مفید و کارآمد باتوں کا ذکر ہے - شاعری پر بہت خوب چیز ہے ۲۶×۲۰/۸ صفحات ۱۳۰ - اور قیمت صرف عہ

محشر خیال

سجاد علی انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند بے حد دلکش ادبی و اصلاحی مضامین کا مجموعہ نادر جو صرف ڈھائی سو چھپا تھا - اب چند کا پیاں باقی ہیں چونکہ اسے مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار کے طور پر شائع کرنا تھا اسلئے بڑے اہتمام اور نفاست سے چھپا ہے اور جلد پر سنہرے حروف میں نام تحریر ہے - ان کے مضامین میں خاص قدرت ادبیت اور کلام میں خاص کیف و بلند خیالی اور جذبات نگاری ہوتی ہے - آخر میں تھوڑا سا مجموعہ غزلوں اور نظموں کا ہے - قیمت ۲؎

تمنائے دید

اخلاق، تمدن اور معاشرت پر بے حد دلکش انداز اور دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں بعض ضروری مسائل زندگی - از جناب سجاد مرزا بیگ مرحوم ۱۵۰ صفحات قیمت صرف دو روپے (عہ)

رنج و راحت

جناب آفتاب عمر صاحب برادر مسٹر ظفر عمر نے یہ ناول بڑی کامیابی کے ساتھ لکھا ہے - ظفر عمر صاحب کی کتابیں جس درجہ مقبول ہوئیں سب جانتے ہیں - لیکن اگر آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو کسی طرح کم نہ پائیں گے - اس میں غدر کی تباہی عام انتشار، مضطرب زندگی کا ہو بہو نقشہ ہے - ایک دردانگیز کہانی ہے، ایک ہندوستانی بی بی اور ان کی بیٹی کے شریفانہ کارنامے ہیں - غرض یہ کتاب ناول بھی ہے اور عبرت و نصیحت خیز مرقع بھی - قیمت صرف صہ

جور فلک

مشہور و معروف انگریزی ناول ایسٹ لین کا دلکش سلیس اردو ترجمہ از پروفیسر انعام اللہ خاں علیگڑھ - تین حصوں مجموعی تعداد صفحات ۱۲۶۶ نفیس طباعت اور قیمت صرف صہ

ملنے کا پتہ

منیجر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دھلی

مفید کتب

دکن میں اردو
مؤلفہ مولوی محمد نصیرالدین ہاشمی صاحب منشی فاضل

جنوبی ہند میں اردو کی ابتدائی تاریخ قطب شاہی، عادل شاہی بامعہ آصف جاہی دوروں میں اردو نظم و نثر کیحالت اور شعرائے اردو کا تذکرہ معہ نمونہ کلام ضخامت ۴۳۰ صفحے سائز پاکٹ ایڈیشن ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ چکنا بار دوم قیمت دو روپیہ (عـہ)

خیابان اُردو
مرتبہ جناب احمد عارف صاحب حیدرآبادی ہندوستان کے ممتاز اردو انشا پردازوں اور نامی گرامی شعرا کے نظم و نثر کا بہترین انتخاب جو مدارس کے تعلیمی نصاب کیلئے نہایت موزوں ہے ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحے سائز پاکٹ ایڈیشن ۲۰×۳۰/۱۶ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت مجلد سادہ دو روپے آٹھ آنے (عـہ۸)

روح تنقید
مصنفہ مولوی ابوالحسنات سید غلام محی الدین قادری زور ایم اے، فن تنقید کے متعلق اردو زبان میں پہلی کتاب ہے جس میں ماضی و حال کے علمائے یورپ کے تنقیدی اصول بیان کئے گئے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں مثنوی سحرالبیان پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے ضخامت ۳۰۵ سائز پاکٹ ایڈیشن ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ چکنا لکھائی چھپائی عمدہ بار دوم قیمت عـہ

تنقیدی مقالات
مصنفہ زور صاحب - یہ روح تنقید کا دوسرا حصہ ہے جس میں مصنف نے روح تنقید کے پیشکردہ اصولوں کی روشنی میں انگریزی، فارسی، اور اردو زبانوں کے مشہور اہل قلم کی قلمکاریوں پر تنقید کرکے اصولوں کا استعمال دکھلایا ہے اور نیز بعض مشہور اردو انشا پردازوں کے طرز تحریر پر تبصرہ کرنیکے خاص خاص اصول بیان کئے گئے ہیں ضخامت ۵۰۰ صفحے سائز پاکٹ ایڈیشن ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ چکنا لکھائی چھپائی وغیرہ عمدہ مجلد سادہ قیمت عـہ

اردو کے اسالیب بیان
مصنفہ زور صاحب - نثر نگاری کی ابتدائی کیفیت - ابتدا سے لے کر آجتک کے نثر نگاروں کے طرز تحریر و انداز بیان کا تذکرہ خاص طرز تحریر کے اردو انشا پردازوں کے اسالیب بیان پر تبصرہ - ضخامت ۲۰۴ صفحے سائز پاکٹ ایڈیشن - کاغذ چکنا لکھائی چھپائی عمدہ قیمت مجلد سادہ عـہ

سلطان محمود غزنوی کی بزم ادب
مصنفہ زور صاحب سلطان محمود غزنوی سے پہلے اور بعد کے علم و ادب کے حالات سلطان محمود غزنوی کے علمی و ادبی کارنامے ترتیب کتاب میں پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران سے استفادہ کیا گیا ہے - ضخامت ۱۲۰ صفحے کاغذ چکنا لکھائی چھپائی عمدہ پاکٹ ایڈیشن قیمت بارہ آنے (۱۲/)

دنیائے افسانہ
مصنفہ مولوی محمد عبدالقادر سروری ایم اے ایل ایل بی، افسانہ نگاری کی ابتدائی تاریخ اور افسانہ نویسی کے اصول و مبادیات یہ اردو زبان میں اپنے مضمون کی پہلی کتاب ہے ضخامت ۲۱۰ صفحات - سائز پاکٹ ایڈیشن - کاغذ چکنا لکھائی چھپائی بہترین قیمت عـہ

مبادی فلسفہ
مؤلفہ مولوی حسن الدین صاحب بی اے ایل ایل بی، ڈاکٹر اے ایس راورث پی - ایچ - ڈی کی پرائمری فلسفی کا ملخص با محاورہ ترجمہ ضخامت ۱۴۶ صفحات - سائز پاکٹ ایڈیشن کاغذ چکنا - لکھائی چھپائی عمدہ - قیمت ۱۴/